مسلسل اشاعت کے بیالیس سال

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

495
شوال ۱۴۲۷ھ
نومبر 2006

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمدللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک و بیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تاقیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جوکہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف سوا کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب واہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یو بی ایل اکوڑہ خٹک 7-01 نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5 - 17

مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6 - 1120

Email: editor_alhaq@yahoo.com

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ---- 42
شمارہ نمبر ---- 02
شوال --- ۱۴۲۷ھ
نومبر --- ۲۰۰۶ء

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی
ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: حدود اللہ کی پامالی پر مبنی بل کی دونوں ایوانوں سے منظوری' کیا قیامت ڈھانے کو ہے؟۔ باجوڑ کے مدرسے اور معصوم طلباء کی شہادت کس طوفان کا پیش خیمہ ہے؟ سانحہ درگئی افسوسناک حادثہ۔ سابق صدر پاکستان غلام اسحاق خان کی رحلت ...... راشد الحق سمیع ۲
''تحفظ نسواں'' بل پر سینٹ میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے خطاب کا متن۔ سینٹ میں پیش کردہ دس ترامیم ...... ادارہ ۷
صلیبی دہشتگردی کا تعاقب ...... ادارہ ۲۲
اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال (درس ترمذی) ...... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۲۴
عازمین حج کو چند اہم مشورے ...... حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ؒ ۲۹
اسلام میں انسانی حقوق اور اخلاقی اقدار ...... حضرت مولانا محمد انوار الحق صاحب مدظلہ ۳۲
تہذیبوں کا ٹکراؤ یا امریکی استعمار کا پیش خیمہ ...... پروفیسر سید تقی حسین جعفری ۳۸
ہندوستانی مدارس اور دہشت گردی ...... جناب یوگندر سکند ۴۲
سود کی حقیقت' علت' حرمت اور حکمت ...... مفتی ذاکر حسن نعمانی ۴۸
حضرت مولانا سمیع الحق اور ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا سفر ایران ...... مولانا عرفان الحق حقانی ۵۱
دارالعلوم کے شب و روز (اقوام متحدہ کے سیکورٹی کونسل کے خصوصی وفد کا دارالعلوم کا معائنہ۔ دارالعلوم کے نئے سال کی افتتاحی تقریب اور مغربی صحافیوں کی آمد) جناب شفیق الدین ۶۰
تبصرہ کتب ...... مدیر کے قلم سے ۶۳

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات و آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/20 روپے سالانہ -/200' بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
کمپوزنگ: بابر حنیف
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم راشد الحق سمیع حقانی

حدود اللہ کی پامالی پر مبنی بل کی دونوں ایوانوں سے منظوری کیا قیامت ڈھانے کو ہے؟

تاریک راستوں کے گمراہ ''روشن خیال'' اور صلیبی دستوں کے ایجنٹ حکمرانوں نے بالآخر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں حدود اللہ کی تنسیخ پر مبنی بل پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے اکثریت کے ساتھ گزشتہ دنوں بڑی آن بان شان کے ساتھ پاس کرادیا اور یوں ''روشن خیالی'' کے راستے میں حائل ایک بڑی ''رکاوٹ'' ان کے خیالِ فاسد میں دور ہوگئی۔ بل کی منظوری کے بعد حکومتی اور حلیف جماعتوں نے بڑے جشن منائے۔ منوں کے حساب سے مغرب زدہ عورتوں کی تنظیموں نے مٹھائیاں تقسیم کیں اور ایک دوسرے کو مبارکباد کے تہنیتی پیغامات بھی بھیجے گئے۔ اس کے علاوہ قومی پریس کے اکثر دانشوروں اور کالم نویسوں نے بھی اس پر خوشی کا اظہار کسی نہ کسی طور پر کھل کر کیا۔ حکومتی وزراء بل کی منظوری کو اپنے لئے باعث فخر قرار دے رہے ہیں اور اس پر خوشی کی بغلیں بجا رہے ہیں اور مذہبی طبقوں یعنی (عام پاکستانی مسلمانوں کی) جگ ہنسائی اڑائی جارہی ہے اور ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلانات ہورہے ہیں کہ یہ تو ابھی شروعات ہیں آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ یہ وحشت ناک مناظر اور دلخراش صورتحال مملکت اسلامی پاکستان کی طبقہ اشرافیہ اور حکمرانوں کا تھا۔ یقیناً خداوند جبار وقہار کا عرش اس خوفناک جسارت پر لرز اٹھا ہوگا اور یقیناً محسن انسانیت حضرت محمد مصطفی ﷺ کی روح مبارکہ بھی پاکستانی حکمرانوں کے اس ''تازہ کارنامے'' سے مضمحل اور مایوس ہوئی ہوگی۔ بقول علامہ اقبال ع یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

موجودہ حکمرانوں سے اس قسم کے شرمناک واقعات عین توقع کے مطابق ہیں۔ ان لوگوں نے روزِ اول ہی سے کمال اتاترک کو اپنا آئیڈیل قرار دیا تھا اور لبرل ازم، بے راہ روی اور مادر پدر آزادی ان کا نصب العین تھا۔ پھر بعد میں نائن الیون سے شروع ہونے والی رسوائی نے ان کی خوئے غلامی میں مزید اضافہ کرادیا اور اسی دن سے ان کو یہ ٹاسک دیا گیا تھا کہ پاکستان کے معاشرے اور اسکے آئین سے ہر اسلامی علامت اور خصوصاً حدود اللہ کو نکالا جائے۔ یعنی ع جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹادو۔ اسی نہج پہ انہوں نے آہستہ آہستہ اسلامی ثقافت کے خاتمہ، ملکی نظام تعلیم کی ''تطہیر'' اور دینی علوم وفنون اور قوانین کی بیخ کنی کیلئے کئی منفی اقدامات اٹھائے۔ جب انہوں نے

دیکھا کہ ملک بھر میں اسکے خلاف کوئی موثر آواز یا تحریک نہیں اٹھ رہی تو ان کی کوزہ پشت اور کوتاہ ہمت نے بالآخر کالی گھٹاؤں کی صورت میں بلند ہو کر اقدامات کرنا شروع کر دیئے کیونکہ حکومت کو سب سے زیادہ خطرہ مجلس عمل سے تھا۔ لیکن ''ہنر مند ہاتھوں'' کی ''کارستانی'' کی بدولت مجلس عمل واقعتاً جلوس یعنی بیٹھنے کی صورت میں چار سال بیٹھی وسجدہ ریز رہی اور قیام وعمل اور جدوجہد سے کوسوں دور کوچہ اقتدار اور گوشہ عافیت میں اونگھتی رہی۔ بلکہ انہوں نے سترہویں ترمیم یعنی ایل ایف او کے ذریعے جنرل مشرف کو پانچ سال کا آئینی موقع فراہم کیا تاکہ جنرل مشرف پوری یکسوئی کے ساتھ اسلامی قوانین کی بیخ کنی اور مجاہدین اور دینِ اسلام اور قومی حمیت پر مرمٹنے والے غازیوں کا صفایا کر سکے۔ اب جب مشرف نے ظلم وستم کے تمام تیر آزما دیئے اور حتیٰ کہ حدود اللہ کی پامالی کا بل بھی دونوں ایوانوں سے منظور ہو گیا تو کچھ لوگوں کو اس ''احساس زیاں'' نے ستانا شروع کر دیا کہ غالباً عوام کا مزاج اب طیش میں آنے والا ہے اس لئے اب مستعفی ہونا چاہیے اور ویسے بھی چار سال ایوان اقتدار میں خراماں خراماں گزر گئے ہیں۔ اب صرف کچھ مہینے الیکشن میں باقی ہیں تو کیوں نہ عوام کو نئے الیکشن میں دوبارہ بیوقوف بنایا جائے۔ لیکن مجلس عمل کے ایک اور بڑے رہنما نے اس رائے کو بڑی شدومد کے ساتھ رَد کر دیا کہ ہمیں مستعفی نہیں ہونا چاہیے بلکہ آخری دم تک اس ڈوبتی کشتی کے مسافر بننے میں ہی ''سیاسی حکمت وعافیت'' ہے۔ ہمارے استعفوں سے جمہوری نظام کو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر اسلام کا بیڑہ غرق ہوتا ہے تو ہونے دو مگر ''جمہوری نظام'' کا بچنا ضروری ہے۔ اس ''دوراندیشی'' سیاسی تدبر اور حکمت عملی '' کو کیا نام دیا جائے۔ ''حقوق نسواں'' بل نے آئین میں جہاں اسلامی دفعات کو نقصان پہنچایا تو وہیں مجلس عمل کے بعض بڑے رہنماؤں کی قبائیں بھی چاک ہو گئیں اور ان کی عمر بھر کی سیاسی کھیتیوں کی فصل بادِ صرصر کے ایک ہی جھٹکے کی نذر ہو گئیں۔ ''اناللہ وانا الیہ راجعون''۔ نام ونہاد اپوزیشن بھی تقسیم ہو کر رہ گئی' پیپلز پارٹی نے کھل کر حکومت کا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ اے این پی اور دیگر جماعتوں نے بھی مجلس عمل سے اس بل پر اختلاف کیا کہ مجلس عمل نے ایل ایف او پر مشرف کے ساتھ مل کر ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا پہلی خلاف ورزی مجلس عمل نے کی ہے۔ اگر مجلس عمل استعفوں میں واقعی مخلص ہے تو پھر سرحد اور بلوچستان وغیرہ میں بھی استعفیٰ دیں۔

اقتدار اور اختلاف کے مسندوں کے باہمی اشتراک کے انوکھے کھیل سے استفادہ کرنے والوں' دین اور طالبان کے نام پر آنے والوں' دوسروں کو حقیر سمجھنے والوں اور اپنے اتحادیوں کو اختلاف رائے کی بناء پر نکالنے والوں کا آخر کار ایسا ہی انجام بد ہوتا ہے کہ ع نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

بہر حال ملک وقوم کے سامنے یہ ایک حساس صورتحال ہے' ایک طرف مغرب زدہ سیکولر حکمران ہیں اور دوسری طرف منتشر اپوزیشن اور تیسری طرف مجلس عمل جس کی گوناگوں پالیسیوں نے یہ روز بد ملک وملت کو آج دکھایا ہے۔ ایسی صورت میں عام پاکستانی مسلمان اور مجلس عمل سے باہر کی مذہبی جماعتوں کو سر جوڑ کر آگے بڑھنا ہوگا اور اس

مغربی ایجنڈے، تہذیب وتمدن کے سامنے سدِ سکندری باندھنا پڑے گا ورنہ اس جنگ میں دوقومی نظریے، اسلامی روایات، مشرقی اقدار سمیت ہر چیز داؤ پر لگ جائے گی۔ یہی ایسا موڑ ہے جہاں سے حقیقی جدوجہد کا آغاز کرکے دین و ملت کے مجرم حکمرانوں سے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے۔

باجوڑ کے مدرسے اور معصوم طلباء کی شہادت کس طوفان کا پیش خیمہ ہے ؟

اسلام اور کفر کی ابدی جنگ ہر دور، ہر عہد اور ہر زمانہ میں ہوئی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔حق و باطل کی یہ کشمکش ماضی کی طرح عہد جدید میں بھی جاری وساری ہے۔آج دشمنوں کی مقتل گاہوں کی ساری سرخیاں خونِ مسلم کی رنگینیوں سے مزین ہیں۔زندانوں کی رونقیں علماء، طلباء اور مجاہدین کے نعرہائے تکبیر اور سوز وساز سے آباد ہیں. اور دستِ قاتل کی ساری پھرتیاں، سفاکیاں اور اسلحے معصوم مسلمانوں کی گردنوں کی بدولت کارگر ہیں۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جاری جنگ میں دنیا بھر میں ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جارہا ہے۔''دہشت گردی'' کے نام پر جاری جنگ میں ایسی ایسی دہشت گردیاں اور ظلم و بربریت کے مظاہرے کئے جارہے ہیں کہ انسانیت بھی چنگیزی دور کی تاریکیوں میں منہ چھپانے پر مجبور ہے۔

گزشتہ ماہ باجوڑ کے علاقہ کے ایک مدرسہ پر رات کی تاریکی میں امریکہ بہادر نے حملہ کرکے تریاسی (۸۳) کے لگ بھگ معصوم طلباء اور علماء کو شہید کردیا، کیونکہ صدر بش کو مڈٹرم الیکشن میں یقینی شکست سے بچنے کیلئے ''ایمرجنسی'' میں فوری طور پر مسلمانوں کا تازہ خون چاہیے تھا۔اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے فوری طور پر ایک اسلامی مدرسے کا انتخاب کیا گیا، اور اس کیلئے سارے انتظامات پاکستانی حکمرانوں اور حکومت نے مہیا کئے۔حتیٰ کہ ان کا جرم بھی اپنے کھاتہ میں ڈالا گیا کہ کہیں ''مقدس سرکار'' کی ''نیک نامی'' پر آنچ نہ آنے پائے۔ کیونکہ اس بربریت سے پہلے بھی وزیرستان اور ملک کے دیگر حصوں میں بھی معصوم شہریوں کا قتل حکمرانوں کیلئے معمولی ٹاسک بن گیا ہے۔حکمرانوں سے تو اس قسم کے مزید واقعات کی توقع ہی کی جاسکتی ہے، ان سے کیا گلہ شکوہ؟ لیکن اہل مدارس، مذہبی طبقے اور پاکستانی قوم اور خصوصاً مجلس عمل اس قیامت خیز سانحہ پر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے اور اس واقعہ کو بھی آئے روز کے خونی واقعات کی طرح فراموش کردیا گیا۔اسی غفلت ''حکمت عملی'' اور خاموشی نے حکمرانوں اور امریکہ کو اتنا بہادر کردیا ہے کہ اب وہ جس شخص کو چاہے اور جس دینی مدرسے کو چاہے ختم کرسکتا ہے۔پاکستان میں ویسے بھی جنگل کا قانون ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی ریاست کا منظر ہے اور سیاسی و مذہبی جماعتیں بھی شتر مرغ کے قبیلے سے تعلق کی بناء پر چشم پوشی کو وقت

کی ضرورت قرار دے رہے ہیں۔ حزن و یاس کی اس زہریلی فضاء میں اور غلامی پر محیط اس سیاہ رات میں کس سے مدد اور تعاون کی امید کی جائے؟ اور کس کے سامنے آہ و فریاد کی جائے؟ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ایک اسلامی ادارے' اسلامی روایات اور افراد کو مٹایا جارہا ہے' لیکن کوئی سنجیدہ بولنے والا نہیں' احتجاج والا نہیں اور کر گزرنے والا نہیں۔ کچھ سیاسی مداریوں نے اس سانحہ کے موقع پر بھی اپنے کرتب دکھائے لیکن دیکھنے والوں نے ان بونوں کی ان بھونڈی حرکات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور دینی بھی نہیں چاہیے تھی کہ اب قوم ان دغا بازوں سے اکتا گئی ہے۔ آخر میں جلے دل اور ویراں خیالات کی بناء پر یہی لکھا جاسکتا ہے کہ ناامیدی کے خار پاکستان کے کشتِ ویراں کے دَر و دیوار پر قابض ہو گئے ہیں۔ زرخیزی' حیات نو' نشاۃ ثانیہ اور خودداری و حمیت کے پھول اس دھرتی پر اب شاید تادیر نہ کھلیں۔ کیونکہ ساقی اور باغ کے مالی بھی شر رو برق سے مل گئے ہیں۔

ے
بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں　　کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

سانحہ درگئی افسوسناک حادثہ

حکمرانوں نے جو آگ اپنے ہاتھوں سے ملک و ملت کے در و دیوار کو لگائی ہے خود اس کا اپنا دامن بھی اس سے محفوظ نہیں رہا۔ ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے جو ایک فطری چیز ہے۔ مجاہدین کے خلاف جاری جنگ میں حکمران آخری حد تک جاچکے ہیں اور حکمران خود اس وقت سب سے بڑے انتہا پسند بن گئے ہیں' انہی کی ظالمانہ اور انتہا پسندانہ پالیسیوں کے نتیجے میں ملک بھر میں ایک عجیب صورتحال پیدا ہوگئی ہے اور اس میں اضافہ باجوڑ پر ظالمانہ حملہ کے بعد مزید ہوگیا ہے۔ اسی کا ردعمل درگئی میں فوجی چھاؤنی میں مشغول بے گناہ زیر تربیت کئی درجن فوجی جوان بنے اور ایک خودکش بمبار نے آن واحدہ میں کئی لوگوں کو موقع پر شہید کردیا اور درجنوں کو زخمی۔ یہ معصوم اور بے گناہ فوجی بھی مسلمان پاکستانی اور انتہائی غریب طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی بالکل ابتدائی ٹریننگ کے مراحل سے گزر رہے تھے۔ ان کا خون ناحق بھی ظلم عظیم ہے۔ اس ظالمانہ اقدام کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کی سزا کسی طور پر بھی ان جیسے بے گناہ لوگوں کو دینا قطعی حرام ہے۔ شریعت میں اس کا کوئی جواز نہیں' جیسا کہ حکمرانوں کا باجوڑ پر حملہ حرام تھا اسی طرح درگئی میں بھی یہی اقدام مکمل طور پر ناجائز اور حرام ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت فوری طور پر اپنے ظالمانہ اقدامات سے کنارہ کش ہوجائے تاکہ یہ آگ ٹھنڈی ہوجائے ورنہ خودکش دھماکوں کا یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ خدانخواستہ مزید نہ پھیل جائے' ورنہ ہمارا حشر بھی عراق جیسا ہوسکتا ہے۔ دونوں متحارب قوتوں کو ہوش و خرد کے ناخن لینے چاہئیں۔

سابق صدر پاکستان غلام اسحاق خان کی رحلت

پاکستانی حکمرانوں اور اسٹیبلشمنٹ کی اکثریت ایسی گذری ہے جن کی کارکردگی اور خدمات پر لکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ لیکن چند ایک ان میں سے ایسے کردار بھی گزرے ہیں (اور معدود چند اب بھی موجود ہیں) جن کا کردار بہر حال کافی قابل ستائش رہا ہے۔ انہیں میں سے مرحوم غلام اسحاق خان کی منفرد شخصیت ہے۔ مرحوم گزشتہ ماہ پشاور میں طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ مرحوم اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر کلرک کی سیٹ سے ترقی کر کے ملک کے اعلیٰ ترین عہدوں وزیر خزانہ، چیئر مین سینٹ اور صدر پاکستان تک پہنچے۔

مرحوم کا نمایاں وصف ان کی ایمانداری اور خیانت سے پاک ہونا تھا۔ ورنہ پاکستان میں جو بھی حکمران آئے انہوں نے اپنے منصب اور قومی خزانے کو شیر مادر سمجھا۔ لیکن مرحوم کا دامن کرپشن کے چھینٹوں سے آخر دم تک صاف رہا۔ آپ معاملہ فہم سنجیدہ اور باوقار انسان تھے۔ اقربا پروری سے کوسوں دور تھے۔

آپ کا تعلق صوبہ سرحد کے پسماندہ شہر بنوں سے تھا۔ کسی نے شہر کی ترقی وغیرہ کے لئے آپ سے سفارش کی تو آپ نے کہا کہ میں بنوں شہر کا نہیں پورے پاکستان کا صدر ہوں۔ اسی طرح آپ نے قومی سوچ کا ثبوت دیا۔ چیئر مین سینٹ کے عہدے پر بھی آئے کافی اہم خدمات سرانجام دیں۔ مرحوم پاکستانی سیاست کے بہت بڑے نام تھے اور پاکستانی سیاست کے کئی سربستہ راز اور کئی کہانیاں ان کے سینے میں مدفون تھیں۔ ایک بار حضرت والد صاحب مدظلہ کے ہمراہ کچھ عرصہ قبل راقم ان کی ملاقات اور بیمار پرسی کے لئے ان کی رہائش گاہ پشاور گئے۔ تو باتوں باتوں میں والد صاحب مدظلہ اور راقم نے آپ بیتی لکھنے کے لئے آپ سے گزارش کی۔ مرحوم کچھ دیر خاموش رہے اور پھر مایوسی میں کہا کہ اس کی پاکستانی قوم کو ضرورت نہیں۔ وہ مجھ جیسے شخص کی کتاب میں کیا دلچسپی لے گی؟ نہ اس قوم کا مزاج او رذوق کتاب بینی اور مطالعہ کا رہا ہے اور نہ یہ قوم اور سیاستدان ان حقائق کا سامنا کر سکیں گے، جو کچھ میں ان کے سامنے بیان کروں گا۔

غلام اسحاق مرحوم کرپٹ اسٹیبلشمنٹ اور اقربا پرور انتظامیہ کے ایماندار سربراہ تھے۔ اسی لئے اقتدار سے الگ کردیئے گئے، لیکن انکی عزت اور عظمت پاکستانی سیاست کی پیشانی پر ہمیشہ قائم ودائم رہے گی۔

ادارہ

''تحفظ نسواں'' بل پر سینٹ آف پاکستان میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے خطاب کا متن

''تحفظ حقوق'' نسواں بل پر ۲۳ نومبر ۲۰۰۶ء کو ایوان بالا میں عام بحث کے دوران جمعیت علماء اسلام کے سربراہ سینیٹر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خطاب فرمایا اگر چہ وقت کی تنگی کے بناء پر چیئر مین سینٹ کے بار بار روکنے کی وجہ سے مولانا مدظلہ اپنے خیالات کا مکمل اظہار نہ کر سکے تاہم ۲۰۔۲۵ منٹ کے اس خطاب میں حدود آرڈیننس کی تنسیخ وترمیم کے اصل محرکات وعوامل خواتین سے متعلق اسلامی قوانین دیت' شہادت وراثت اور حدود کے بارہ میں اسلامی سزاؤں پر سیر حاصل روشنی پڑتی ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق نے حکومت کے ترمیمی بل میں علماء کے تجاویز کی روشنی میں دس اہم ترامیم بھی داخل کیں جسے شام کے بعد دوسری خواندگی کے دوران ایک ایک کر کے دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا مگر ایوان نے حکومتی کثرت رائے کے بنیاد پر ان سب کو مسترد کر دیا۔ مولانا مدظلہ کا خطاب اور ترامیم (سینٹ سیکرٹریٹ کی رپورٹنگ شدہ) یہاں من وعن پیش کیا جارہا ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب چیئر مین صاحب! شکریہ آپ نے بڑے کھلے دل سے سب کو موقع دیا ہے اور خیالات پر کسی قسم کی قدغن نہیں لگائی۔ آپ نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔ میں گزارش کروں گا کہ میں چار پانچ منٹ میں اپنی بات پوری نہ کر سکوں گا۔ میں ایک پارلیمانی جماعت کا لیڈر ہوں اور جس طرح اور جماعتوں کے ساتھ آپ نے بڑے اچھے رویے کا مظاہرہ کیا ہے تو مجھ ناچیز کو بھی کچھ تفصیل سے موقع عطا فرمائیں۔ مجھے احساس ہے کہ بہت لمبی لسٹ ہے۔

جناب چیئر مین: آپ اپنی تقریر شروع کریں۔ آپ کی تقریر کے متن اور جو آپ بات کریں گے اس کے اوپر دارومدار ہے۔ اسی حساب سے دیکھ لیں گے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب چیئر مین صاحب! میں گزارش کروں گا کہ یہ ساری صورتحال جو پیدا ہوئی ہے اسلامی قوانین کے بارے میں' احکام کے بارے میں بالخصوص ترمیمی آرڈیننس کی شکل میں' حقیقت یہ ہے کہ اس کے بنیادی عوامل دو ہیں۔ ایک جو ساری دنیا میں سلسلہ چل رہا ہے جسے ہم خارجی عوامل کہیں گے' اس کے محرکات سب کو معلوم ہیں۔ حدود آرڈیننس ۲۹ سال سے ہے۔ کوئی اچانک ایسا حادثہ نہیں ہوا کہ آسمان گر پڑا اور حدود آرڈیننس سے بہت

سارے مسائل پیدا ہو گئے۔

اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف مغربی دباؤ: یہ ساری جنگ جو عالم اسلام کے خلاف' امت مسلمہ کے خلاف' مغربی طاقتوں نے شروع کی ہے اور اس کو وہ تہذیب کی جنگ قرار دے رہے ہیں' اس تہذیب کی جنگ کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے امت محمدیہ اور نبی کریم ﷺ کی تہذیب کو ہرگز برداشت نہیں کرنا ہے۔ اور اسلامی ممالک میں سیاسی' معاشی' مادی وسائل (Sources) پر قبضہ کرنے اور سارے اسلامی امت کو غلام بنانے اور ان کو دوبارہ کالونی سسٹم میں تبدیل کرنے کے لئے وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس امت کا اسلامی تشخص اس کی شناخت اور کوئی بھی ایسی چیز باقی نہ رہے جوان کو مومن اور مسلم رکھے۔ ان کو اپنی آزادی کا تحفظ سکھائے' یہ ایک وسیع جنگ شروع ہے۔ یہ اسی کا ایک حصہ ہے۔ وہ برداشت نہیں کرتے کہ ہماری شناخت کا کوئی اپنا نظام ہو' ہماری اپنی تہذیب ہو اور جہاں جہاں اسلامی تہذیب اور آزادی کی جدوجہد شروع ہوتی ہے وہاں امریکہ اور ساری طاقتیں پہنچتی ہیں اور اس کو مٹاتی ہیں' ان طاقتوں کو ختم کرتی ہیں۔ طالبان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ صورتحال بہت تیزی سے شروع ہے ہمارے دوستوں کو علم ہے اور ان کو معلوم ہے کہ کئی سالوں سے امریکہ نے یہ رپورٹیں تیار کی ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے اخبارات میں انہوں نے صراحتاً کہا ہے کہ پاکستان میں اسلامائزیشن کا جو کام ہوا ہے اس کو ہم نے ختم کرنا ہے۔ اس میں حدود آرڈیننس بھی ہے۔ اس کے بعد قادیانیوں کا سلسلہ آئے گا۔ ہم خود وہ رپورٹیں پڑھتے ہیں' وہ بار بار دباؤ ڈالتے ہیں کہ امتناع قادیانیت قوانین بھی بنیادی حقوق کے خلاف ہیں۔ وہ توہین رسالت ایکٹ کے خلاف مستقل جدوجہد کر رہے ہیں کہ کسی طرح توہین رسالت قانون کو ختم کیا جائے۔ تو ایک ایک چیز آگے چل کر آئے گی۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور کسی ایک جگہ ختم نہیں ہوگا۔ ہم جتنا بھی حدود آرڈیننس کو مسخ کر دیں' اسے تبدیل کر دیں' اس میں لچک پیدا کر دیں' اسے نرم کر دیں' پھر بھی وہ خوش نہیں ہوں گے۔ اگر حدود کا لفظ اور اصطلاح بھی قوانین میں ہو تو امریکہ اس سے مطمئن نہیں ہوگا۔ ابھی آپ نے قومی اسمبلی میں بل پاس کیا تو دوسرے تیسرے دن امریکہ کے ذمہ دار افراد کے بیانات آئے کہ ہم اس سے پوری طرح مطمئن نہیں ہیں۔ ابھی پورا کام نہیں ہوا ہے۔ قرآن کریم میں اس طرح اشارہ ہے کہ ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم الایۃ۔ جب تک اسی تہذیب کو نہیں اپناؤ گے' اپنے کو مکمل اسی سانچے میں نہیں ڈھالو گے تو یہود و نصاری آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ جو ان کی تہذیب ہے' جانوروں کی' حیوانات کی' بے حیائی کی' فحاشی کی اس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ چاہیں گے کہ تم بھی ایسے ہی بن جاؤ۔ حیاء' تہذیب اور شرافت کو چھوڑ دو۔

دورے یا غیروں کی چھاپہ مار مہم: میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب کچھ قربان کر کے بھی ان کی دوستی' ان کی رضامندی حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ہم نے پورے وسائل کو' دفاع کو' آزادی کو' خودمختاری کو ان کے

قدموں میں ڈال دیا۔ اپنے پڑوسی اسلامی ملک کو تباہ کیا اور اپنے تمام سورسز وسائل ان کو مہیا کیے لیکن کیا وہ ہم سے راضی ہوگئے؟ آج بھی وہ سارا ملبہ ہم پر ڈال رہے ہیں۔ کرزئی بھی ہمیں گالیاں دے رہا ہے' ممبئی سے بھی اعلانات ہوتے ہیں اور امریکہ آ کر ہمیں بار بار پٹی پڑھاتا ہے۔ کل میرے سینئر دوست نثار میمن نے یہاں کہا کہ ہماری کتنی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ سارا یورپ اور ساری دنیا کی طاقتیں پاکستان کے دورے کر رہی ہیں' مگر میں کہتا ہوں کہ افسوس ہے کہ یہ دورے ہمیں کچھ دینے کے لئے نہیں ہو رہے ہیں بلکہ وہ سب کچھ چھیننے کے لئے آتے ہیں' کہ ان کی کچھ شناخت رہ گئی ہے تو اسے بھی مٹا دیں۔ وہ نمبر دس کے بدمعاشوں کی طرح ہمیں صبح و شام چیک کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک چھاپہ مارمہم ہے۔ ٹونی بلیئر بھی آتا ہے' رمزفیلڈ بھی آتا ہے یہ سب چھاپہ مار مہم کا حصہ ہے۔ وہ چیک (Check) کرتے ہیں کہ کچھ بچا بھی ہے یا نہیں یا ہر چیز ختم کر دی ہے۔ جناب والا! میری کیا اہمیت ہے۔ کل اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کا وفد جو پاکستان آیا ہے۔ بڑا اہم وفد ہے' انسداد دہشت گردی ٹیم' وہ کل اکوڑہ خٹک میں میرے پاس آئی اور پانچ گھنٹے وہ میرے ساتھ رہے۔ کیا یہ انکی میرے ساتھ کوئی محبت تھی یا میری بڑی عظمت تھی' بہت احترام تھا کہ پوری ٹیم اکوڑہ خٹک میں میرے گھر پر پانچ گھنٹے تک رہی۔ ایک بجے آئے شام کو پانچ بجے واپس گئے۔ وہ ہمارے تعلیمی نظام اور اسلامی طرز حیات اور خیالات کو خوردبین سے چیک کر رہے تھے۔ اس لئے میں کل کے اجلاس میں مجبوراً حاضر نہیں ہوسکا تھا۔ انہوں نے سب کچھ دیکھا وہ ندامت محسوس کر رہے تھے کہ ہم کس غلط فہمی میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نیویارک میں ہم آپ کے بارے میں کچھ اور سنتے تھے' مدرسے کے بارے میں بھی مگر یہاں تو ہم اور کچھ دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے پریس کو کہا کہ ہمیں ایسی بریفنگ دی گئی کہ ہمارے سارے خدشات ختم ہوگئے۔ لیکن پرنالہ پھر بھی وہیں کا وہیں رہے گا۔ تو یہ کوئی ہمارے ہمدرد نہیں ہیں کہ وہ اکوڑہ جیسے دورافتادہ علاقے میں اپنے آپ کو خطرات میں ڈال کر آتے ہیں۔ یہ فخر کی بات نہیں ہے کہ وہ بار بار آ رہے ہیں اور ہمیں کچھ دے رہے ہیں۔

جناب والا! ٹونی بلیئر نے آ کر اعلان کر دیا کہ مدرسوں کو ختم کر دو' تو اتنے پیسے اور زیادہ لے لو تو یہ خوشی کی بات نہیں ہے مگر ہم یہ سلسلہ اسی طرح چلاتے رہیں گے تو کبھی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

حکمران اپنے آئیڈیل ترکی اور مصطفیٰ کمال سے سبق سیکھیں: ہمارے سامنے آئیڈیل ہے مصطفیٰ کمال' ہمارے سامنے آئیڈیل ہے ترکی۔ جنرل صاحب بھی ان سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ترکی نے کیا کچھ قربان نہیں کیا۔ خلافت کو گنوا بیٹھے اور سارا عالم اسلام ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ پھر اسلامی تہذیب اور شناخت ختم کر دی گئی۔ عربی زبان پر پابندی لگائی گئی۔ اذان پر پابندی لگائی اور بدقسمتی سے ہم بھی اسی رخ پر چل پڑے ہیں۔ ہم نے بھی ٹونی بلیئر کے لئے شاہ فیصل مسجد میں اذان بھی رکوائی اور عصر کی نماز بھی تو یہ سب کچھ ہوا۔

انہوں نے اپنا سارا ملک مغربی تہذیب میں ڈبو دیا۔ مسجدیں بند کر دیں' اذان' عربی رسم الخط بند کر دیا لیکن

ترکی کو کیا ملا؟ آج تک ترکی یورپ کے دروازے پر کھڑا ہے' دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔سو سوا سو برس کی جدوجہد کے باوجود بھی ان کو داخلے کی اجازت نہیں ہے۔کیونکہ وہ مسلمان ہیں ان ساری قربانیوں کا بدلہ ان کو کیا ملا۔ہم نے بوسنیا کی حالت دیکھی' بوسنیا ایک یورپی ملک تھا' یورپ کے درمیان میں ایک جزیرہ تھا' ان بے چاروں پر یورپ نے اپنا ہم قوم ہونے کے باوجود ترس نہیں کھایا کہ وہ مغربی تہذیب میں پورے ڈوب گئے تھے' ان کی تہذیب' حیاء' شرافت انگریزوں سے بھی زیادہ گئی گزری تھی۔لیکن چونکہ ان کی لا الہ الا اللہ اور اسلام سے نسبت تھی انہوں نے ان کو برداشت نہیں کیا۔اس کو کو تباہ کیا۔میں گزارش کروں گا کہ یہ سارا پس منظر موجود ہے آپ اس کی ہزار بار تردید کریں اب آپ کے سامنے ایک تلوار اور لٹکنے والی ہے کہ توہین رسالت ایکٹ ختم کرو۔حضور اقدس ﷺ اور انبیاء اکرام کے ناموس کے تحفظ کا کوئی حق آپ کو نہیں ہے۔جو چاہے جو کرے سو کرے۔جو چاہیں وہ کریں اب بھی وہ بار بار ہمارے احتجاجوں کے باوجود کر رہے ہیں۔کیا انہوں نے ناموس انبیاء کا کوئی قانون بنایا؟ ہم چیختے چلاتے رہے کہ ہمارے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔

اقوام متحدہ' دہشت گردی کی تعریف کرے: کل کی ملاقات میں میں نے سیکورٹی کونسل اور اقوام متحدہ والوں سے کہا کہ بھئی ساری دنیا کی نظریں آپ پر ہیں' انصاف کرو' اور پہلے ٹیررازم کی تعریف کرو۔اس کے حدود متعین کرو' بش کو بھی مجبور کرو' ٹونی بلیئر کو مجبور کرو کہ دہشت گردی کی یہ تعریف ہوگی اور اپنی بقاء کی جنگ یہ ہوگی۔پھر آپ مظلوم اور ظالم قوتوں کا فرق کریں اور ہماری تہذیب اور ثقافت نہ مٹائیں' ہمیں اپنا علم پڑھنے' پڑھانے دیں۔آپ نے اگر ہمارے نظام تعلیم کو سیکولر بنا دیا تو قرآن وسنت اور حدیث اور فقہ پڑھنے والا کہاں جائے گا۔وہ تو مجبوراً مسجدوں میں مدرسوں میں بچے بھیجے گا۔تم نے اگر تعلیم کی یہ تفریق ختم کردی' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیم لازم کرا دیا تو تمام مدرسے خود بخود بیکار ہو جائیں گے لیکن یہ تو کسی راستے پر آئیں گے ہی نہیں۔

داخلی عوامل روشن خیال اور سیکولر ذہنیت: جناب چیئرمین: گزارش یہ ہے کہ ایک تو یہ عوامل ہیں' دوسرے داخلی عوامل ہیں۔ہمارے ملک میں روشن خیالوں کا ایک طبقہ ہے وہ علی الاعلان تو نہیں کہتا لیکن جب بھی ہم اسلام اور اسلامائزیشن کی بات کرتے ہیں تو یہ روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔میں نے اس سینٹ میں دس بارہ سال شریعت بل کے لئے جنگ لڑی۔اس دوران ہمارے چیئرمین غلام اسحاق خان صاحب اور جناب وسیم سجاد صاحب تھے۔میرے سامنے جو یہاں موجود ہیں۔اس وقت اتنا امریکی دباؤ نہیں تھا لیکن ایک روشن خیال طبقہ' سیکولر ذہن والا' نہیں چاہتا تھا کہ اس ملک کا نظام اسلامی سانچے میں ڈھل جائے۔اس ملک میں اسلامی احکام اور قوانین آجائیں اور وہ بظاہر علی الاعلان نہیں کہہ سکتا۔کوئی بھی ہمارا وزیر اور ممبر نہیں کہہ سکتا کہ ہم اسلامی تعلیمات کو برداشت نہیں کریں گے۔اسلامی قوانین ہمیں قبول نہیں ہیں کیونکہ پھر وہ اس معاشرے میں نہیں رہ سکتے۔لیکن وہ طبقہ پھر اور راستہ اختیار کرتا ہے' وہ عورت

کے کاندھے پر بندوق رکھ کر معاشرے کو غیر اسلامی بناتا ہے' وہ شور مچاتا ہے کہ عورت کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے' وہ براہ راست حملہ نہیں کر سکتا' وہ ایک بالواسطہ (Indirect) راستہ اختیار کر لیتے ہیں کہ اسلام میں تو عورت کے ساتھ ظلم نہیں ہے مگر یہ مولوی ظلم کر رہے ہیں۔ یہ تو قرآن وسنت کے قوانین کے نام پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور جب ''عورت دشمنی'' کا ذکر آتا ہے تو خواتین تو چیخ اٹھتی ہی ہیں لیکن مرد بھی کہنے لگتے ہیں کہ ان پر اتنا ظلم ہو رہا ہے۔ اسلام کا راستہ روکنے کے لئے وہ عورت دشمنی کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اکبر آلہ آبادی نے یہی محسوس کیا تھا کہ ؎

اکبر ڈرے نہ تھے کبھی دشمن کی فوج سے لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

اسلامی قوانین کے بارے میں خواتین کو ورغلایا گیا:

جناب چیئرمین: اب ان خواتین سے میں دو چار باتیں کروں گا' عورتوں کو ورغلایا گیا کہ قانون شہادت میں تیرے ساتھ ظلم ہوا۔ عورت کو ورغلایا گیا کہ آپ کی دیت آدھی ہے' عورت کو ورغلایا گیا کہ آپ کی وراثت میں آپ کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے تو میں مختصراً دو' تین باتیں گزارش کروں گا کہ یہ سراسر دھوکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو ترجیحی رعایتوں سے نوازا ہے۔ کتنا غلط پروپیگنڈہ ہے کہ مرد کی دیت پوری ہے اور عورت کی آدھی۔

دیت: حقیت میں اگر ہم سوچیں تو مرد کی دیت آدھی ہے اور عورت کی دیت بالکل کامل ہے۔ وہ کیسے؟ مرد قتل ہوا ہے اور فرض کریں کہ دیت دس لاکھ روپے ہے اور مرد کا کوئی اور وارث نہیں اور اگر وارث ہیں بھی تو ان میں ایک اس کی بیوی بھی ہے۔ اور اگر وارث صرف اس کی بیوی ہے تو دس کے دس لاکھ روپے اس کو مل گئے۔ مقتول تو دیت قبر میں نہیں لے جا سکتا وہ تو چلا گیا' قتل ہوا لیکن دس لاکھ روپے اس کی بیوی کو مل گئے تو مرد کی دیت اس کو کامل مل گئی۔ اور اگر عورت قتل ہو گئی تو شوہر مرد جو زندہ ہے' کو پانچ لاکھ روپے ملیں گے تو مرد کو نقصان ہوا یا عورت کو۔ مرد تو بیچارا پانچ لاکھ سے محروم ہو گیا۔ اور عورت کی دیت اس وجہ سے آدھی کر دی گئی ہے کہ عورت کی ساری ذمہ داریاں تو مردوں پر ہیں۔ بیوی قتل ہوئی ہے اور اسکا شوہر زندہ ہے تو شوہر اس کے بچوں کو بھی سنبھالے گا' ان کے تمام ضروریات اور گھربار کو سنبھالے گا تو اللہ تعالیٰ ان حکمتوں کو خوب سمجھتا ہے۔

وراثت: اب وراثت کی بات کر لیں۔ ایک شخص کا بیٹا ہے اور بیٹی بھی ہے۔ بیٹے کو ایک پورا حصہ ملا۔ بیٹی کو آدھا ملا ہے۔ بظاہر دیکھیں تو عورت کو آدھا حصہ بھی ملنا نہیں چاہیے تھا اگر ہم سوچیں کہ کیوں؟ اس لئے کہ عورت گھر میں ہے تو اس کی ساری ضروریات کی ذمہ داری شوہر پر ہے یا باپ پر ہے۔ (یہاں پر اذان ظہر سنائی دی)

قانون شہادت: یہی صورتحال قانون شہادت کی ہے' شور مچا ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں۔ یہ ظلم ہے جبکہ یہ صورتحال نہیں ہے۔ حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔

قانون شہادت میں گواہی دینا حق نہیں ہے' ذمہ داری ہے۔ کسی کو گواہ ہونے پر مجبور کرنا' کسی کو گواہی کے

کٹہرے میں لانا کوئی عزت اور فائدے کی چیز نہیں ہے۔ اس کو فقہ میں حق اور فرض کہتے ہیں۔ حقوق اور ہیں' فرائض اور ہیں۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے فرائض سے مستثنیٰ کر دیا ہے کہ یہ مصیبت میں نہ پڑیں۔ اور چار و ناچار اگر مجبوراً عدالت میں جانا بھی پڑے' عورت رحیم یار خان سے' گجر خان سے' چکوال سے' اور گلگت سے عورت بیچاری کیسے اکیلی جائے گی۔ عورت نامحرم کے ساتھ جا نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کے ساتھ ایک دوسری خاتون ہونی چاہیے جو اس کی ڈھارس بندھائے' جو اس کا ساتھ دے' خطرات سے محفوظ رکھے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ عدالت میں جرح کا کیا نظام ہے' کتنی غلاظت سے وکیل گواہوں کی چیر پھاڑ کرتے ہیں۔ اب ایک خاتون بیچاری اکیلے ان حالات کی کیسے متحمل ہوگی۔ دل گردے والا کوئی مرد بھی اس کٹہرے میں وکیلوں کی جرح اور چیر پھاڑ برداشت نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمہارے ساتھ ایک خاتون ہونی چاہیے جو حوصلہ اس کو دلاتی رہے وہ اکیلے نہ جائیں۔ مرد سے بھی عدالت میں گھبراہٹ میں ہزار باتیں غلط ہو جاتی ہیں۔ عورت بیچاری اگر بیانات میں' کٹہرے میں' جرح میں' گواہوں میں کہیں پھسل گئی' غلط فہمی میں آ گئی' گھبرا گئی تو دوسری عورت اس کو ٹوکے گی۔ اس کی تصحیح کرے گی۔ فتذکر احداھما الاخری بیچاری سے گڑبڑ ہوگی یا بات کرنے میں کمزوری آ بھی گئی تو دوسری خاتون اس کو تنبیہ کرے گی کہ تم ان باتوں میں نہ پڑو۔ ایسی بات نہ کرو' ایسی بات کرو۔

قانون وراثت: اب وراثت کے قانون کو دیکھتے ہیں انگریزوں کے زمانے میں وراثت تھی ہی نہیں' نہ انگریزوں کے ہاں اب بھی ایسا قانون وراثت ہے۔ جاہلیت کے دور میں عورت کو بالکل بھیڑ بکری کی طرح' مال کی طرح' جائیداد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے آ کر سب سے پہلے اسکو وراثت کا حق دار بنایا۔ اب دیکھیں ایک شخص باپ ہے اس کی بیٹی ہے اور بیٹا ہے۔ بیٹے کو دوگنا ملا' بیٹی کو اس سے آدھا ملا کیونکہ اس کی پرورش' تعلیم و تربیت سب باپ کرتا ہے لیکن جب وہ شوہر کے گھر چلی جائے گی تو ہر بوجھ اس کا شوہر پر ہے مگر وہ پھر بھی پچاس فیصد لے گئی تو یہ بھی اللہ کا انعام اور رحمت ہے ورنہ اس کو کیا ضرورت تھی' اس کا گھر بار چلانا' آٹا' روٹی' کپڑا مکان اور بچے کی پرورش' بچے کے دودھ کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی۔ حتیٰ کہ مرد پر لازم ہے کہ بیوی کے لئے ایک خادمہ گھر میں رکھے گا۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ دو نوکر لازمی ہیں۔ ایک بازار سے سودا سلف لانے کیلئے باہر کے کاموں کے لئے' ایک گھر کی خدمت کے لئے۔ تو جب وہ بیٹی ہے سارا بوجھ مرد باپ پر ہے۔ جب وہ ماں ہے تو مرد بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اسے سنبھالے' محنت مشقت کرے اور لا کر اسے دے۔ اگر وہ بیٹی ہے تو حضور نے فرمایا کہ جس نے بیٹیوں کی پرورش پر خرچ کیا' ان کی کفالت کی' انکی تربیت کی اور اس کو تعلیم دلائی تو حضور ﷺ نے دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا کہ ایسا شخص میرے ساتھ اتنا قریب ہوگا جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں وہ جنت میں میرے ساتھ ایسے جائے گا تو وراثت میں بھی اللہ نے سراسر احسان کیا اور مرد کو وہاں پر مجبور کیا کہ عورت کروڑ پتی کیوں نہ ہو مگر اسکا نان نفقہ مرد پر ہے۔ مزدوری کرے مگر بیوی کو لا کر دے گا۔

جناب چیئر مین: آپ وقت کا ذرا خیال رکھیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب مجھے موقع دیں۔ یہاں پر تین تین گھنٹے تقریریں ہوتی ہیں۔

جناب چیئر مین آپ بولیں لیکن بل پر رہیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: میں مختصر کرتا ہوں:

تعزیرات اور فوجداری قوانین میں اللہ کا کرم: دنیا میں جرائم کا سلسلہ لامحدود ہے ہم غیر متناہی جرائم نئے نئے شکلوں میں پیدا ہوتے دیکھتے ہیں۔ اب لوگ سائنسی طریقے سے جرائم کرتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں جرائم لوگ کرتے ہیں تو ان تمام جرائم کی سزا متعین کرنے کی اللہ نے ہمیں کھلی چھٹی دے دی کہ سزا کا آپ خود فیصلہ کریں۔ اللہ نے فوجداری قوانین میں جتنی لچک کا مظاہرہ کیا ہے' انسانوں کے ساتھ' مسلمانوں کے ساتھ' اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اللہ نے کسی جرم کی سزا متعین نہیں کی بلکہ کہا ہے کہ آپ جانیں اور آپ کا کام۔ تمہارے قاضی' تمہارا جج جو سزا متعین کرے۔ تمہاری مقننہ جو سزا متعین کرے۔ تمہاری عدلیہ جو بھی سزا دے اسے اختیار ہے' ان تمام جرائم کی سزا یعنی تعزیرا اجتہادی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ کہاں بند ہے۔ آپ کسی بھی جرم میں اجتہاد کر کے کوئی تعزیر بنا سکتے ہیں۔ سو سال بھی' ایک سال بھی' دس سال بھی۔ اللہ نے تمام فوجداری قوانین ہمارے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے ہیں۔ کوئی قدغن نہیں لگائی سوائے حدود کے۔

حدود اللہ کراس نہیں کئے جاسکتے: سوائے حدود کے چار پانچ جرائم جس کا تعلق حکومت سے ہے' ملک سے ہے' معاشرے سے ہے' وہ حقوق اللہ میں شامل ہیں' باقی حقوق العباد ہیں لیکن حدود اللہ خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھ لئے' کیوں؟ وہ حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے' جہاں اللہ تعالیٰ وحی میں بیان کردہ سزا پر اصرار کرتا ہے یہ ضروری ہے وہاں اللہ کو پتہ ہوتا ہے کہ عقل پھسلے گی' انسانی عقل صحیح فیصلہ نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زنا' قذف جو زنا کا ایک حصہ ہے بظاہر دو ہیں حقیقت میں ایک۔ ڈکیتی وہ بھی سرقہ کا حصہ ہے اور شراب نوشی ہے تو اللہ نے حد متعین کر دیئے کہ اب اس میں چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس میں ذرا گڑبڑ کرنے سے کیا کیا معاشی بحران آئے گا۔ کیا معاشرتی بحران آئے گا۔ نسل انسانی اور خاندان بکھر جائے گا تو وہاں فرمایا تلک حدود اللہ یہ میری مقرر کردہ ہیں۔ اب اسے کراس نہیں کرنا' بارڈر ہے' حد ہے۔ اس بارڈر میں نقب نہ لگاؤ' کسی بھی ملک کے بارڈر کو کراس کرتے ہیں تو گولی ماری جاتی ہے۔ خدا نے فرمایا کہ اس حد کو کراس نہیں کرنا۔ چار چیزوں ہیں اب اس کو کراس نہ کرو۔

نبی ﷺ کو بھی تبدیلی کا حق نہیں: تلک حدود الله فلا تعتدوها ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون۔ حضور اقدس ﷺ کو بھی یہ حق نہیں دیا گیا کہ کسی حد کو وہ تبدیل کریں' نہ کر سکتے تھے۔ قل مایکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الی الایة

مجھے حق نہیں ہے کہ میں اپنے طور پر اس میں کوئی تبدیلی کروں۔ جب تک وحی نہ آئے۔ ایک چوری ہوگئی' حد سرقہ کا مسئلہ آیا۔ فاطمہ خذومی ایک مخدومیہ قبیلے کی عورت تھی اس سے چوری سرزد ہوگئی' وہ بڑی بااثر خاندان اور قبیلے کی عورت تھی۔ ہلچل مچ گئی۔ سب نے کہا کہ اگر اس عورت کا ہاتھ کاٹا جائے گا تو بڑے مسائل پیدا ہوں گے اسے بچایا جائے۔ کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ حضورﷺ کے پاس جا کر سفارش کرے۔ انہوں نے بالآخر تلاش کیا حضرت زید کو جو حضرت اسامہ بن زید کے والد تھے اور وہ حضورﷺ کو اولاد کی طرح عزیز تھے۔ اس کی بات حضورﷺ نہیں ٹالتے تھے۔ اس کو تیار کیا گیا کہ آپ حضورﷺ کو سفارش کردیں کہ اس فیصلہ سے بڑے سیاسی نقصانات ہوں گے۔ قبائل اٹھیں گے کہ بڑے معزز خاندان کی خاتون ہے' خاتون اول ٹائپ کی چیز ہے۔ تو انہوں نے ڈر ڈر کر حضورﷺ سے سفارش کی تو حضورﷺ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ جلال میں آگئے۔ فرمایا: افی حد من حدود الله کہ اللہ کے بندے تم اللہ کی حدود میں سفارش کرنے لگ گئے۔ پھر فرمایا: والله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها

حضورﷺ نے فرمایا یہ تو وہ فاطمہ مخزومیہ ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بنت محمد سے بھی خدانخواستہ معاذ اللہ چوری ہو جائے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ کے رہوں گا کیونکہ حد میں مجھے کوئی اختیار نہیں۔

یہاں میں مختصر کرتا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ آپ مجھے دو تین گھنٹے دیتے۔

جناب چیئرمین: بعد میں بھی آپ تجاویز دے سکتے ہیں۔ ختم کریں لیکن تجاویز بعد میں بھی دے سکتے ہیں۔

سینیٹر وسیم سجاد (قائد ایوان): اسلام کا اصول یہ بھی ہے کہ ڈسپلن قائم کرو۔ یہ تو ویسے بھی عالم ہیں ساری بات کو کوزے میں بند کر لیتے ہیں۔

قوانین حدود کی حکمت: اسلام اور حضورﷺ کا منشا یہ نہیں کہ خوامخواہ حد نافذ ہو۔ اللہ نے یہ حدود کا نظام رجم اور سو کوڑوں کی سزا عبرت کے لئے' ڈرانے کے لئے' خوف دلانے کے لئے رکھی' رجم کو بہت بھیانک بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ رجم موت کے طریقوں میں سب سے کم خطرات اور زندگی کو بچانے کے امکانات کا طریقہ ہے۔ رحمت کا طریقہ ہے۔ حضورﷺ کے پاس اگر کوئی آکر کہتا ہے کہ میں غلطی کر بیٹھا ہوں تو حضورؐ سے ٹالتے تھے۔ خواہ مخواہ پیچھے نہیں پڑتے تھے۔ ایک صاحب آکر کہنے لگے حضورﷺ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے' عورت سے زنا ہوگیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ لعلک قبلتها لعلک لمستها ان کو طریقے سے سمجھایا کہ شاید تم نے صرف بوس و کنار کیا ہوگا۔ تم نے ہاتھ وغیرہ لگایا ہوگا لیکن وہ اصرار کر رہا تھا اور اس نے صریح انداز میں کہہ دیا کھل کر کہ نہیں مجھ سے زنا والا کام ہوا ہے۔ ایک بار ایک عورت آئی اقرار کیا کہ مجھ سے زنا ہوا ہے مجھے پاک کرا دیجئے۔ تو حضورﷺ نے کہا جاؤ تمہارے پیٹ میں بچہ ہے۔ اب بچوں کو تو ہم سنگسار نہیں کر سکتے۔ جب وہ پیدا ہوگا تو پھر دیکھیں گے۔ مقصد یہ ہوتا ہے

کہ کسی وقت بھی وہ اپنے اقرار سے رجوع کرلے تو پانچ چھ مہینے وضع حمل تک گزار لے۔ ہم پیچھے نہیں پڑیں گے مگر وہ اللہ کی بندی' جس پر اللہ کا خوف غالب تھا وہ بچہ اٹھا کر لے آئی اور کہا یا رسول اللہ اب تو مجھے پاک کر دو۔ بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ بچہ کیسے زندہ رہے گا۔ اس کو پالنے پوسنے اور دودھ پلانے کے لئے ماں کے علاوہ کون آئے گا؟ چلی جا۔ جب بچہ بڑا ہو جائے گا تو پھر دیکھیں گے۔ دو ڈھائی سال بعد جب بچہ بڑا ہو گیا تو وہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دے کر پھر چلی آئی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ اب تو مجھے پاک کرا دو۔ ایک وہ لوگ تھے اور ایک ہم ہیں کہ ہم سب کچھ حلال کرانے کے پیچھے پڑ گئے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اب تو کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہمارے لیڈر آف دی ہاؤس نے کل ایک حوالہ مجھ سے سن کر دیا کہ ادر و الحدود ما استطعتم مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حد ساقط کرانے کے پیچھے خواہ مخواہ پڑ جاؤ۔ اور اسے منسوخ کرا دو بلکہ ہر ممکن احتیاط کرو۔ کسی معقول اعتراض کی وجہ سے قانون شہادت میں معمولی کمی بھی آ گئی۔ ساڑھے تین فیصد بھی گواہ ہو گئے اور آدھا ایک فیصد نہیں ہے پھر بھی ٹال دو۔ لیکن جب حد کا فیصلہ ہو گیا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ میں خود بھی اسے معاف نہیں کرا سکتا۔

جناب چیئر مین: ذرا ختم کریں مہربانی کر کے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: وقفہ کے بعد دوبارہ ٹائم دے دیجئے گا۔

جناب چیئر مین: نہیں دوبارہ تو موقع نہیں ہوگا۔ تجاویز آپ بعد میں بھی دے سکتے ہیں۔

<u>سزائے موت اور رجم کی حکمتیں:</u> مولانا سمیع الحق: سزا کو حد سے نکال کر آپ نے اسے تعزیر میں ڈال دیا ہے۔ اب جب موت کی سزا آپ نے رکھ دی ہے تو موت کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ پھانسی کا پھندا ڈال دو۔ ایک یہ ہے کہ گولی مار دو۔ ایک یہ ہے کہ گیس والی جگہ پر ڈال دو۔ ایک یہ ہے کہ بجلی کے جھٹکے سے مار دو۔ ایک یہ ہے کہ اسے زہریلا انجکشن دے دو۔ یہ سارے طریقے دنیا میں رائج ہیں' سزا دینے کے لئے۔ لیکن قرآن میں ایک طریقہ اور ہے وہ ہے رجم کہ اسے سنگسار کرو۔ اب کون سی صورت میں زندگی کی بچت کی ہے' ذرا میری بات غور سے سن لیں۔ رجم کرنے میں مجرم شخص کو اللہ نے ایک ہزار فیصد زندہ رہنے کا امکان رکھا ہے۔ گولی سے مار دیا تو پھر وہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ پھانسی کے پھندے سے پھر زندہ نہیں ہو سکتا لیکن رجم میں ایک ایک کنکری ماری جائے گی۔ دو گھنٹے میں' تین گھنٹے میں' چار گھنٹے میں جتنا وقت لگے اس دوران چاروں گواہ بھی موجود ہوں گے' جج بھی موجود ہوگا۔ حکمران بھی موجود ہوگا۔ اور جب سنگساری شروع ہوئی تو کسی گواہ کا ضمیر بیدار ہوا کہ جناب میری گواہی سے یہ زخمی ہو رہا ہے۔

جناب ایس ایم ظفر صاحب میری بات زیادہ سمجھتے ہیں یہ تو وکالت اور قانون کے ماہر ہیں۔ اور غور سے متوجہ بھی ہیں۔

جناب چیئر مین: مولانا صاحب ذرا مختصر رکھیں مہربانی کر کے ابھی اور بھی بہت سپیکرز ہیں۔ دو منٹ میں بس ختم کریں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جی ہاں! مجھے رجم کی بات کرنے دیں۔ اگر ایک گواہ بھی ہٹ جائے' اگر ایک پتھر لگا جو مجرم کو

کسی گواہ کے دل میں ترس آ گیا' اوہ میں نے تو غلط گواہی دے دی اور وہ اٹھ کر کہے کہ میں نے غلط گواہی دی ہے۔فوراً ''حد'' رک جائے گا۔قاضی یا جج جس نے رشوت لی ہے' پیسے لئے ہیں اس کا ضمیر جاگ گیا' کہ یا اللہ کتنا بڑا ظلم ہوا مجھ سے یہ بیچاری عورت یا مرد زخمی ہو رہا ہے' تڑپ رہا ہے۔ وہ جج کہنے لگا کہ مجھ سے غلط فیصلہ ہوا یا تزکیۃ الشہود غلط ہوا ہے۔کوئی یہ کہہ دے کہ یہ تزکیۃ الشہود صحیح نہیں تھا تو فوراً رجم رک جائے گا کسی جج کے بارے میں ثبوت ہو جائے کہ اس نے تو پیسے لئے تھے۔کوئی ٹیپ ریکارڈ لے آئے کہ ان گواہوں نے تو وہاں منصوبہ بنایا تھا۔بس سارا ''حد'' گر گیا اور وہ زندہ رہ گیا۔ جب تم نے ایک گولی کا برسٹ مارا تو وہ کہاں زندہ رہ سکے گا۔تو ایک گواہ' دو گواہ' تین گواہ' چار گواہ ایک بھی بیچ میں سے نکل سکتا ہے یا مثلاً مجرم نے اقرار کیا ہے زنا کا اقبال جرم کیا ہے' عورت ہے یا مرد' اور اس پر رجم شروع ہو گیا اور وہ دکھ سے چلا اٹھا۔اس نے کہا میں نے غلط اقرار کیا ہے۔اقبال جرم سے منکر ہو گیا تو اسی وقت ''حد'' رک جائیگی۔

جناب چیئر مین: مولانا آپ تشریف رکھیں تا کہ میں دوسرے کو شروع کرا سکوں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: میں جناب تجاویز تو دے دوں۔

جناب چیئر مین: میں نے کئی بار موقع دیا ہے کہ جلدی ہے ایک دو منٹ میں ختم کر دیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ دے پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

چونکہ ایک بات قانون شریعت اور فقہ کی آئی ہے تو آپ نے گھنٹے گھنٹے دیئے ہیں۔اگر مجھے نماز کے بعد دوسری مرتبہ وقت دے دیں۔

آوازیں: اگلے سیشن میں (بل پاس ہونے کے بعد)

سینیٹر مولانا سمیع الحق: نہیں اگلے سیشن میں نہیں۔(مذاق نہ کریں)

جناب چیئر مین: آپ تجاویز لکھ کر دے دیں ان کو میں ریکارڈ میں ڈال دوں گا۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: نہیں میں مختصراً اس بل کی اصلاح کے لئے ضرور بات کروں گا۔

جناب چیئر مین: زیادہ سے زیادہ ایک دو منٹ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔چونکہ بہت لمبی لسٹ ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب مجھے شام کو اپنی ترامیم کے موقع پر وقت دیں گے۔

جناب چیئر مین: میں وعدہ نہیں کر سکتا......

سینیٹر مولانا سمیع الحق: گو کہ میرا حق ہے پارلیمنٹ میں ترامیم پر بات کرنے کا اور میں اپنا وقت پورا کرنا چاہتا ہوں۔ میں بل کے اصلاح کی کوشش کرتا ہوں یہ کوئی غیر ضروری بات نہیں ہے۔

جناب چیئر مین: تجاویز تو دے دیں ناں۔ یہ ہم سب کے لئے چیلنج ہے۔محدود وقت ہے اور اپنی تجاویز اور خیالات کا اظہار کریں۔ یہ ذمہ داری بھی ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: حضور ابھی پندرہ منٹ بھی نہیں ہوئے۔

جناب چیئر مین: پچیس منٹ ہو گئے ہیں۔اذان کا وقت نکال کر ۲۵ منٹ ہو گئے ہیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: میں یہ عرض کر رہا ہوں' مختصر سی بات کہ آپ نے زنا اور زنا بالجبر سب باتوں کو تعزیر میں ڈال دیا ہے تو اگر چار گواہوں کا ثبوت نہ ہو تو اس طرح اس کو تعزیرات میں ڈالا جا سکتا ہے۔لیکن اگر آپ ان دفعات میں ایک دو لفظ بڑھا دیں صرف یہ کہ بشرطیکہ وہ چار گواہ پیش نہ کر سکتے ہوں' اگر عدالت میں چار گواہ پیش نہ ہو چکے ہوں تو پھر تعزیر میں چلا جائے۔لیکن اگر واقعتاً کہیں چار گواہ پیش ہو گئے تو وہ زنا بالرضا ہو یا بالجبر ہو سب پر حد شرعی نافذ ہو گا۔

<u>خواتین پر نظام عدل اور پولیس کی وجہ سے ظلم ہو رہا ہے:</u> دوسری میری تجویز یہ ہے کہ سارا شور یہ ہے کہ عورت کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔پولیس کا نظام ایسا کر رہا ہے۔تو آپ پولیس کے نظام کی کیوں اصلاح نہیں کر رہے۔پولیس تمام تعزیرات ہند' تعزیرات فوجداری و دیوانی پاکستان کے ساتھ کیا کچھ کرتی ہے۔ہزاروں عورتیں اب بھی ان تعزیرات کی وجہ سے جیلوں میں بند ہیں۔کیا آپ ان سب کو منسوخ کریں گے۔زنا بالجبر میں عورت کو اللہ تعالیٰ کوئی سزا نہیں دیتا۔زنا بالجبر میں وہ مظلومہ ہے۔وہ عدالت میں جا کر فریاد کرے گی۔تو یہ شور مچا ہے کہ پولیس اس کو اندر کر دیتی ہے۔تو ہم اگر ایک لفظ بڑھا دیں ایک دفعہ لگا دیں کہ مستغیثہ کو اس وقت تک نہیں چھیڑا جائے گا جب تک عدالت مکمل فیصلہ نہ کر لے۔عدالت جب اس کیس کے بارے میں مکمل فیصلہ دے دے بریت کا یا مجرم ہونے کا اس وقت تک پولیس نے خاتون پر ہاتھ ڈالا یا گرفتار کیا تو وہ قابل تعزیر جرم ہو گا۔

جناب چیئر مین: آپ پولیس اصلاحات کو چھوڑیں۔آپ تجاویز دے دیں۔آدھے منٹ میں ختم کریں۔تجاویز دیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب میں تو تجاویز ہی دے رہا ہوں۔میں یہ تجویز تو نہیں دے رہا۔کہ آپ لنچ میں جا کر ہمیں مرغ کھلائیں یا چاول کھلائیں۔بل ہی کی بات کر رہا ہوں۔

جناب چیئر مین: آپ کے اور ساتھیوں نے بھی بولنا ہے۔ان کا بھی تو خیال رکھنا ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: دوسرا اس میں ایک دفعہ یہ رکھنا چاہیے کہ جب کسی ''حد'' کا فیصلہ ہو جائے تو حکومت کو اس میں تخفیف' کمی یا معافی کا ہرگز اختیار نہیں ہو گا۔رسول اللہ ﷺ نے سخت ناراضگی سے فرمایا ہے کہ انی فی حد من حدود اللہ ۔کیا حد کو بھی میں تبدیل کر دوں؟ گویا رسول اللہ نے فرمایا کہ مجھے حق نہیں ہے کہ میں معاف کر دوں۔آپ نے صوبائی حکومتوں کو بھی اختیار دیا' مرکز کو بھی اختیار دیا کہ عدالت کے دیئے گئے فیصلے میں کمی بیشی کریں یا اس کو معاف کریں' اس چیز کو اس سے ختم کرنا چاہیے۔اگر آپ دیکھیں کہ فحاشی' قابل دست اندازی پولیس نہیں۔(بات مکمل کرنے نہیں دی گئی)

جناب چیئر مین آپ مہربانی کر کے تشریف رکھیئے' میں دوسرے اسپیکر کو بلاتا ہوں' بہت زیادہ وقت ہو گیا ہے۔

سینٹر مولانا سمیع الحق ترامیم میں آپ مہربانی کریں کیونکہ وہ میرا حق ہے۔

جناب چیئرمین: اس وقت میں دیکھوں گا' اگر وقت ہوا تو میں حاضر ہوں۔

سینٹ میں پیش کردہ اہم ترامیم پر ایوان کی کارروائی

۲۳/نومبر ۲۰۰۶ء کو نماز مغرب کے بعد دوسری خواندگی کی کارروائی

جناب چیئرمین: مولانا سمیع الحق۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب چیئرمین اس بل کی شق پانچ میں مجوزہ نئی دفعہ ۳۳۶ کی ذیلی شق (۱) میں حسب ذیل کا اضافہ کردیا جائے یعنی اگر زنا بالجبر چار گواہوں کی موجودگی میں ثابت ہوجائے یا مطلقاً زنا ثابت ہوجائے بالجبر یا بالرضا تو حدود اللہ کے مطابق اس کی سزا سنگساری یا سو کوڑے دی جائے گی۔

جناب چیئرمین: دوسری ترمیم بھی پڑھ دیں۔ اکٹھا ہی کردیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب چیئرمین! اسی دفعہ میں ذیلی شق (۲۰) کو حسب ذیل سے بدل دیا جائے یعنی حدود آرڈیننس کی کسی دفعہ کے تحت زنا کی مستغیثہ کو گرفتار کرنا تاوقتیکہ عدالت میں مقدمہ زیر سماعت ہو مجموعہ تعزیرات کے مطابق ایک قابل تعزیر جرم ہوگا۔ تو اس کا مطلب وہی ہے۔ ساری بنیاد جناب والا! یہی رکھی گئی ہے کہ عورت کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے اور وہ فریاد کرنے جاتی ہے تو اس کو گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ ہم نے ترمیم کے ذریعے اس بنیاد ہی کو ختم کردیا ہے کہ جب تک عدالت کوئی قطعی فیصلہ نہ دے تو اس خاتون کو گرفتار کرنا یا پولیس وغیرہ سے پریشان کرنا قابل تعزیر جرم ہوگا' تو اس سے ان سارے مظالم کے جو خدشات ہیں ان کا سدباب ہوجائے گا۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب میری کلاز ۵۔

جناب چیئرمین: آپ کا ایک ہوگیا ناں اب اور کون سا اس میں ہے۔ پانچواں ہمارے پاس کوئی نہیں ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: اس میں شامل ہے جناب

جناب چیئرمین: آپ نے ساری اکٹھی پڑھ لی ہیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: نہیں میں نے تو اس میں سے ایک پڑھی ہے جی۔

جناب چیئرمین: ہوگئی ہے جناب

سینیٹر مولانا سمیع الحق: نہیں' نہیں' وہ نہیں پڑھی ہے جی۔ میری تو ابھی آرہی ہیں۔

جناب چیئرمین: کلاز ۵ آپ کہہ رہے ہیں کہ ابھی کلاز ۶ آئی ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: ابھی پہنچا نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: ابھی آنا ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: میں تجویز کرتا ہوں کہ بل شق سات میں نئی مجوزہ دفعہ 491۔ بی میں حسب ذیل میں دفعہ ۱۹۴ اب یا ج کا اضافہ کر دیا جائے۔ یعنی زنا کے مقدمے میں ایک بار دی گئی سزا کو کم یا ختم کرنے کا اختیار وفاقی یا صوبائی سطح پر کسی اتھارٹی کے پاس نہیں ہوگا۔ تو جناب چیئرمین صاحب' اس بل میں اختیار دیا گیا ہے کہ میں نے صبح بھی تفصیل سے کہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے واضح طور پر کہا کہ میں حدود اللہ کی کسی حد کے بارے میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا ہوں۔ تو حضور اقدس ﷺ کو جب یہ اختیار نہیں ہے تو کسی صوبائی حکومت کو یا وفاقی حکومت یا کسی اور اتھارٹی کو تو قطعاً یہ اختیار نہیں ہے کہ عدالت کے فیصلوں میں وہ کوئی کمی کرے یا تخفیف کرے۔ تو آپ اس ترمیم کو برائے کرم شامل فرمالیں۔

جناب چیئرمین: دوسرا بھی پڑھ دیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب چیئرمین! بل کی شق ۷ میں نئی مجوزہ دفعہ ۴۹۶ جی میں حسب ذیل دوسرے شرطیہ فقرے کا اضافہ کر دیا جائے۔ کہ یہ ساری سزائیں اس صورت میں ہیں کہ قرآن میں مذکور چار گواہ پیش نہ ہو سکیں اور اگر پیش ہو سکیں تو اس پر شرعی حد نافذ کی جائے گی۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب چیئرمین! اس Bill کی دفعہ نمبر ۲۹ کا تعلق لعان سے ہے یعنی جب شوہر بیوی پر تہمت لگائے اور بیوی اس تہمت کو سچ تسلیم نہ کرے پھر مرد کو بھی اس کیس میں عدالت میں جانا پڑے گا۔ انہوں نے اس کو اس طرح کھلا چھوڑ دیا ہے' ہر جگہ عورت پر اس کے حقوق کے نام پر ظلم ہو رہا ہے تو لعان کے مقدمے میں اگر عورت چاہے تو مرد کو مقدمے کی سماعت کے دوران حاضر ہونے سے انکار کی اجازت نہیں ہوگی۔ انہوں نے اجازت دی ہے کہ مرد الزام تو لگا بیٹھا' اس کی زندگی تباہ کر دی اب عدالت میں بھی نہیں جائیگا۔ اگر وہ کہے کہ میں نہیں جاتا' اس کو پابند کرنا چاہیے کہ اگر آپ نے الزام لگایا ہے اور عورت دعویٰ کرتی ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو اس کے ساتھ وہ عدالت کے روبرو پیش ہو۔ میں نے Bill کی شق نمبر 29 کی ذیلی شق ہفتم (الف) کے بعد حسب ذیل نئی شق تجویز کی ہے جو کہ شامل کر دی جائے یعنی لعان کے مقدمے میں اگر عورت چاہے تو مرد کے مقدمے کی سماعت کے دوران حاضر ہونے سے انکار کی اجازت نہ ہوگی۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب میں نے بھی اس پر ان کو ترمیم دیا تھا۔ انہوں نے دس ترامیم سے پانچ بنا دیئے۔ کسی کو Table کیا ہے' کسی کو نہیں۔ وہ تو اس میں شامل تھا۔ نئی دفعہ کے اضافے کے متعلق ہے وہ۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب چیئرمین یہ بہت اہم دفعہ ہے جو میں بل میں بڑھانا چاہتا ہوں۔

جناب چیئرمین: جلدی آپ پڑھ دیں۔ ٹائم کم ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: میں یہی کہہ رہا ہوں کہ............

جناب چیئرمین: آپ پڑھ دیں' کیا کہہ رہے ہیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: اسے پڑھنے کے بعد وضاحت کروں گا۔سب کو آپ موقع دے رہے ہیں۔

جناب چیئرمین: جنہوں نے پہلے Submit کیا ہے۔بغیر Submission کے نہیں دے رہے' بہر حال آپ ہمارے بزرگ ہیں۔

<u>قرآن وسنت بالاتر قانون ہوگا:</u> سینیٹر مولانا سمیع الحق: صرف دو منٹ بات کروں گا۔ جناب چیئرمین! دیکھئے آخر میں درج ذیل نئی شق نمبر تیس کا اضافہ یہ ہے کہ اس آرڈیننس کی تشریح اور اطلاق میں اسلام کے وہ احکام جو قرآن کریم اور سنت نے متعین فرمائے ہیں' ہر صورت میں موثر ہوں گے۔چاہے رائج الوقت کسی قانون میں کچھ بھی درج ہو اور اس کی تشریح میں یہی مختصر عرض کرنا چاہتا ہوں۔اس سارے بل میں کئی چیزیں ایسی ہیں یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ اسلام کے مطابق ہے' ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ قرآن وسنت سے متصادم ہے۔تو میں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے دستور کی دفعہ ۹ جو ہے وہ اسلامی دفعات پر مشتمل ہے۔اس میں شامل دفعہ نمبر ۲۲۷ یہ ہے کہ موجودہ تمام قوانین کو اسلام کے احکام' جیسا کہ وہ قرآن کریم اور سنت میں بیان ہوئے ہیں' کے مطابق بنایا جائے گا۔اس حصہ دستور میں جس طرح اسلام کے احکام کا حوالہ دیا گیا ہے کہ ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے گا۔جو احکامِ اسلام سے متصادم ہو۔مگر یہاں یہ بل سراسر آئین کی دفعہ ۲۲۷ سے بغاوت ہے' انحراف ہے' اور غداری ہے۔میں سرکاری بینچوں سے اپیل کروں گا کہ اس ترمیم پر آپ اتنے زور وشور سے "NO" نہ کہیں۔خاص طور سے محمد علی درانی صاحب کو جو بڑے چیخ چیخ کر نو نو کہہ رہے ہیں۔آپ کہیں گے کہ یہ فتویٰ دے رہا ہے۔بات یہ ہے کہ اللہ کا قانون بالاتر ہوگا تو اللہ کی حاکمیت کو اس طرح پامال نہ کریں۔یہ ایمان کا مسئلہ ہے۔اور اسے خطرہ میں نہ ڈالیں۔

ترمیم یہ ہے کہ اس آرڈیننس کی تشریح اور اطلاق میں اسلام کے وہ احکام جو قرآن کریم اور سنت نے متعین فرمائے ہیں ہر صورت میں موثر ہوں گے۔چاہے رائج الوقت کسی قانون میں کچھ بھی درج ہو۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔

I put the Amendment to the House

(The Amendment was rejected)

سینٹ میں پیش کردہ دس ترامیم

جناب سیکرٹری سینٹ سلام مسنون!

میری طرف سے قومی اسمبلی میں منظور شدہ تحفظ حقوق نسواں بل کے ترمیمی بل میں حسب ذیل ترامیم شامل کئے جائیں۔ جنہیں سینٹ میں پیش کردہ مذکورہ بل کو زیر بحث لایا جاسکے۔

۱۔ دفعہ ۵ کے ۳۷۶ کے شق (۱) میں یہ اضافہ کیا جائے کہ اگر زنا بالجبر کے ارتکاب کرنیوالے پر چار گواہ پیش ہو جائیں تو اسے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حد کے مطابق رجم/۱۰۰ دروں کی سزا دی جائیگی

۲۔ (۳۷۶) کے شق (۲) کو حذف کر دیا جائے۔

۳۔ دفعہ ۵ کے (۳۷۶) میں حسب ذیل شق کا اضافہ کیا جائے۔ زنا بالجبر کی مستغیثہ کو مقدمے کی کارروائی عدالت میں پوری ہونے تک حدود آرڈیننس کی کسی بھی دفعہ کے تحت گرفتار کرنا ناقابل تعزیر جرم ہوگا۔

(۴) بل کے دفعہ ۲۹ میں شق (ے) کے بعد حسب ذیل نئی دفعہ کا اضافہ کیا جائے۔ عورت کے مطالبہ کی صورت میں مرد کو لعان کی کارروائی میں شرکت سے انکار کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

(۵) بل کے دفعہ (ے) کے ۴۹۶ (ب) کے بعد ۴۹۶ ذیلی دفعہ (ج) کا اضافہ کیا جائے۔ ایک مرتبہ زنا کی حد کا فیصلہ ہو جانے کے بعد مرکزی صوبائی حکومت کو سزا میں کسی قسم کی تخفیف یا معافی کا اختیار نہیں ہوگا۔

(۶) بل کے دفعہ ۷۔ ۴۹۶ کے آخر میں یہ اضافہ کیا جائے۔ بشرطیکہ جرم کے ثبوت کیلئے قرآن کے مقرر کردہ چار گواہ پیش نہ کئے جاسکیں پیش ہونے پر شرعی حد نافذ کیا جائے گا۔

(۷) قومی اسمبلی کے منظور کردہ بل میں حسب ذیل دفعات کا اضافہ کیا جائے۔ زنا بالرضا موجب حد اور فحاشی جیسے جرائم قابل دست اندازی پولیس ہوں گے اوران جرائم کو ایسے کوئی تحفظات نہیں دیئے جائیں گے جو ان جرائم کو عملاً ناقابل سزا بناتے ہوں۔

(۸) قذف آرڈیننس سے متعلق دفعات میں یہ اضافہ کیا جائے۔

الف۔ عورت کے رضاکارانہ اقرار جرم پر اسے سزا دی جاسکے گی۔

(۹) بل میں اس دفعہ کا اضافہ کیا جائے کہ عدالتوں کے سامنے مختلف جرائم سامنے آنے پر وہ دوسرے جرائم میں سزا دے سکیں گے۔

(۱۰) بل میں حسب ذیل نئے دفعہ کا اضافہ کیا جائے۔

اس آرڈیننس کی تشریح اور اطلاق میں اسلام کے وہ احکام جو قرآن کریم اور سنت نے متعین فرمائے ہیں بہرصورت موثر ہوں گے چاہے رائج الوقت کسی قانون میں کچھ بھی درج ہو۔

سانحہ باجوڑ: اداره

صلیبی دہشتگردی کا تعاقب

سانحہ باجوڑ سے متعلق موقف پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور وزیر خارجہ میں تلخ کلامی

باجوڑ بمباری امریکی صدر کی گرتی ساکھ بچانے کی کوشش ہے۔

تاریخ حکمرانوں کی اس بربریت اور خاموشی کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

وزیر خارجہ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ ملک عملاً غلامی کا شکار ہے' حضرت مولانا سمیع الحق کی خارجہ کمیٹی میں تقریر

وفاقی وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری اور سینٹر مولانا سمیع الحق کے درمیان باجوڑ میں مدرسہ پر حملہ اور بے گناہ طلبہ کی شہادت پر اس وقت خوب گرما گرمی اور تلخ کلامی کی صورتحال پیدا ہوئی جب پارلیمنٹ ہاؤس میں وزیر خارجہ نے سینٹ کی خارجہ کمیٹی کو خارجہ پالیسی پر بریفنگ دینی شروع کی جس کی صدارت سینٹر مشاہد حسین سید کر رہے تھے۔ مولانا سمیع الحق نے انہیں روکتے ہوئے کہا کہ ہماری خارجہ پالیسی کا تازہ ثمرہ ہی ہماری سرزمین پر بمباری کر کے 80 بے گناہ نعشوں کی شکل میں مل گیا ہے۔ آئے دن امریکہ اور نیٹو ہمارے سرحدات کو پامال کر رہے ہیں۔ اور جب چاہیں بیرونی طاقتیں ہماری سرزمین کو روندنے لگ جاتی ہیں اس پالیسی کے نتیجے میں ملک کی خودمختاری اور سالمیت اور آزادی مکمل غلامی میں بدل گئی ہے انہوں نے کہا کہ مریکہ کی بمباری اور بربریت کو آپ اپنے سر لے کر انہیں بدنامی سے بچانا چاہتے ہیں تاریخ کبھی ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ مولانا سمیع الحق نے مطالبہ کیا کہ سٹینڈنگ کمیٹی کو اسی کرنٹ ایشو کو زیر بحث لانا چاہیے اور وزیر خارجہ اس پر بحث کریں وزیر خارجہ قصوری نے کہا کہ پاکستان موجودہ صورتحال میں بڑی آزمائش میں ہے ہم بڑی طاقتوں سے لڑ کر ملک کو عراق اور افغانستان نہیں بنا سکتے اگر ہم ایسا نہ کریں تو بڑی طاقتیں خود ہر اقدام سے گریز نہیں کریں گی۔ مولانا سمیع الحق نے کہا کہ مدرسہ میں دہشت گردی کا کوئی ثبوت سامنے نہیں آیا۔ اس مدرسہ والوں نے نہ کوئی مزاحمت کی نہ وہاں جنگی تربیت دی جارہی تھی اس لئے یہ اقدام ماروائے عدالت قتل ہے اور حکومتی ممبران پارلیمنٹ' انصاف پسند وکلاء اور جج بھی یہی کہہ رہے ہیں اور قطعی قرائن بھی یہی ہیں کہ یہ سب کچھ خود باہر کی طاقتوں امریکہ' نیٹو وغیرہ نے کیا ہے۔ وفاقی وزیر خارجہ نے کہا کہ اس حقیقت سے وزارت داخلہ پردہ اٹھا سکتا ہے یا

فوج۔وزارت خارجہ کا یہ مسئلہ نہیں۔مولانا سمیع الحق نے کہا دین کے معصوم طلبہ اور حفاظ قرآن کو شہید کرنے کے ایسے ہی ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے کئی دن تک قنوت نازلہ پڑھ کر اور قاتلوں پر عذاب کی بددعا مانگی تھی۔حکومت کو اب جرات کا مظاہرہ کر کے اس سلسلہ کو روکنا چاہیے۔بھارت ہم پر الزام لگاتا ہے' کرزئی ہمیں گالیاں دے رہا ہے۔اور امریکہ ہماری دوستی کا حق ایسے اقدامات کروا کر ادا کر رہا ہے۔وزیر خارجہ قصوری نے کمیٹی کو موجودہ صورتحال میں مشکلات اور حکمت عملی سے آگاہ کیا اور کہا کہ امریکہ کو سپر پاور تسلیم کرنا چاہیے' مولانا سمیع الحق نے کہا کہ وہ روس کے خلاف ہماری قربانیوں کے نتیجہ میں سپر پاور بن چکا ہے۔مشرقی یورپ اور سنٹرل ایشیاء ہماری وجہ سے آزاد ہوئے دیوار برلن ہمارے وجہ سے ٹوٹ گئی' مگر پاکستان کو قربانیوں کا صلہ نعشوں اور بمباری کی شکل میں دیا جا رہا ہے انہوں نے قصوری کو ان کے بزرگوں کی جنگ آزادی میں خدمات کے حوالہ سے انکے روایات سے انحراف نہ کرنے پر زور دیا ہے۔ (بحوالہ روزنامہ اسلام ۱۱رشوال ۴رنومبر ۲۰۰۶)

علماء' طلباء اور مسلمانوں کو بیرونی غلامی سے نجات کیلئے اللہ تعالیٰ سے اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

جمعیت علماء اسلام کے سربراہ سینٹر مولانا سمیع الحق نے کہا ہے کہ باجوڑ مدرسہ کے معصوم طلبہ کا قتل عام امریکہ کے مڈٹرم الیکشن میں صدر بش کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی کوشش ہے۔مولانا سمیع الحق یہاں دارالعلوم حقانیہ میں کراچی سے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب مدظلہ کی قیادت میں آئے ہوئے علماء کے ایک بڑے وفد سے بات چیت کر رہے تھے۔مولانا سمیع الحق صاحب نے کہا کہ دادرسی کے تمام دروازے بظاہر بند ہیں مگر سپریم کورٹ کو اس ماورائے عدالت بے گناہوں کے قتل کا خود نوٹس لینا چاہیے۔نیز حضرت مولانا صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ مظاہروں اور پرامن احتجاج کے ساتھ ساتھ علماء دینی مدارس کے طلبہ اور تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر بیرونی غلامی سے نجات کیلئے اجتماعی اور انفرادی دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔اور حکومت اگر اس ظلم کی ڈھٹائی کے ساتھ دفاع کرنے پر بضدر ہے تو ملک کی تمام مساجد میں صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفاظ اور قراء کے شہد کرائے جانے پر قنوت نازلہ پڑھنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

(بحوالہ روزنامہ جنگ ۱۰رشوال ۳نومبر ۲۰۰۶)

درس ترمذی شریف

افادات: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ
ضبط وترتیب : مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی
معاون مفتی دارالافتاء جامعہ حقانیہ

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

جامع امام ترمذیؒ کے ابواب البر والصلۃ کے درسی افادات

باب ما جاء فی زیارة الإخوان

بھائیوں (اور دوستوں) کی ملاقات کا بیان

O حدثنا محمد بن بشار والحسين ابن أبي كشبة البصري قالا ثنا يوسف بن يعقوب السدوسي اخبرنا سنان القسمالي عن عثمان بن أبي سودة عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من عاد مريضاً أوزار أخاله في الله ناداه مناد أن طبت وطاب ممشاك وتبوأت من الجنة منزلاً ...... هذا حديث غريب...... وأبوسنان اسمه عيسى بن سنان...... وقدروى حماد بن مسلمة عن ثابت عن أبي رافع عن أبي هريرة عن النبي ﷺ شيئا من هذا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو آدمی کسی مریض کی عیادت کرے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے کسی مسلمان بھائی کی ملاقات کرے تو ایک فرشتہ اس کو آواز دیتا ہے کہ تو مبارک ہو' تیرا چلنا مبارک ہو اور تو جنت میں بڑا رتبہ پاوے...... یہ حدیث غریب ہے...... اور ابوسنان نام عیسیٰ بن سنان ہے...... اور حماد بن مسلمہ نے حضرت ثابت سے انہوں نے ابورافع سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ سے اس حدیث کا کچھ حصہ روایت کیا ہے۔

توضیح وتشریح:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریض کی عیادت اور کسی مسلمان بھائی کے ساتھ ملاقات کے لئے جانے میں کتنا بڑا اجر وثواب ہے۔؟ تو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ رکھنا' اور دوستوں' قریبوں' نسبی رشتہ داروں اور دینی بھائیوں' روحانی رشتہ داروں کی ملاقات کے لئے جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا محبوب عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب اور

معصوم مخلوق، فرشتوں میں سے ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے اور اس آدمی کی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے دعائیں دیتا ہے۔طبت و طاب ممشاک و تبوأت من الجنة منزلا۔

اس میں دنیوی زندگی اور اخروی عیش کی بہتری کی دعائیں دی گئی ہیں۔طبت کے معنی ہیں تو مبارک ہو، تیری بھلائی ہو، تیرا عیش بہتر ہو۔و طاب ممشاک تیرا یہ چلنا مبارک ہو۔بعض کہتے ہیں کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ آخرت کے سفر کے راستے پر چلنا بہتری کیساتھ ہو۔رزائل اخلاق سے پاک ہو اور مکارم الاخلاق سے مزین ہو۔

و تبوأت من الجنة منزلا:

فرشتوں کی دعائیں حاصل کرو:

اس جملہ میں آخرت میں جنت کے درجات عالیہ عظیمہ کے حاصل ہونے کی دعا ہے۔پس ذرا غور کرنا چاہیے کہ کسی مسلمان کے لئے اس سے بہتر دعا کون سی ہوسکتی ہے۔کہ اس میں اس کی دنیوی عیش کے بہتر اور مبارک ہونے کی دعا ہو اور آخرت میں جنت کے اعلیٰ درجات پانے کی۔تو اگر کسی کا دل یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فرشتہ اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی اور بہتری کی دعا کرے تو اس کے لئے چاہیے کہ مریضوں کی بیماری پرسی کے لئے جایا کرے۔نیز متعلقین اور دوستوں اور بالخصوص علماء اور صلحا کی زیارت اور ملاقات کے لئے جایا کرے۔تو اس کو فرشتوں کی دعائیں حاصل ہوجائیں گی جس کے مقبول ہونے کی پکی امید رکھی جاسکتی ہے۔

باب ما جاء فی الحیاء

حیاء کا بیان

○ ثنا ابو کریب أخبرنا عبدة بن سلیمان وعبدالرحیم ومحمد بن بشر عن محمد بن عمرو أخبرنا أبوسلمة عن أبی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار۔ وفی الباب عن ابن عمرو أبی بکرة وأبی أمامة وعمران بن حصین﴾...... هذا حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان (یعنی اہل ایمان) جنت میں ہوگا اور بے حیائی و بدخلقی، ظلم اور بے وفائی ہے اور بے حیائی و بدخلقی کرنے والے جہنم میں ہوں گے۔اس باب میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوبکرۃ اور حضرت ابوامامہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات آئی ہیں۔اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح:

اس باب میں حیاء کی فضیلت واہمیت بیان ہوئی ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے اور بعض روایات میں حیاء کو عین ایمان قرار دیا گیا ہے اور جس میں حیاء ہو اس میں ایمان بھی ہوگا۔تو وہ جنت میں جائے گا۔اور جس میں حیاء نہ ہو، بے حیا، فحش گو اور بد خلق ہو تو گویا اس نے ایمان باللہ کا جو وعدہ کیا ہے اس نے وہ وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس نے بے وفائی کی، جفا کی، اور ظلم کیا، تو ایسا آدمی جہنم میں جائیگا اور بعض روایات میں یہ مفہوم بھی ذکر ہوا ہے کہ حیاء اور ایمان دونوں جڑواں ہیں جب ان میں سے ایک چلا جائے تو دوسرا بھی اسکا ساتھ دے کر چلا جاتا ہے۔یعنی حیاء کے چلے جانے سے ایمان بھی جاتا ہے۔پس بے حیاء آدمی میں ایمان نہیں ہوگا لہذا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

حیاء کیا ہے؟

لغت میں کسی چیز کی بابت معیوب بننے کے خوف سے جو تغیر اور انکسار، انسان پر طاری ہو جاتا ہے، اس کا نام حیاء ہے۔لیکن شریعت کی اصطلاح میں حیاء اس خصلت کو کہا جاتا ہے جو انسان کو قبائح سے روکنے کا باعث بنے، اور کسی حقدار کے حق میں کوتاہی کرنے سے اسے روکے۔(تحفۃ الاحوذی)

پس اگر ذرا غور کیا جاوے تو یہی خصلت انسان کے لئے بریک کا کام دیتا ہے جب کسی گاڑی کا بریک صحیح اور مضبوط ہو تو رفتار کے دوران خطرہ سامنے آتے ہی بریک لگانے سے گاڑی کھڑی کر کے خطرے سے بآسانی بچائی جاسکتی ہے۔اور جب کسی گاڑی میں بریک نہ ہو اور اسے رکوانے کا سسٹم خراب ہو تو وہ کسی بھی جگہ ٹکرا کر یا کسی بھی گھڑے میں گر کر تباہ ہوسکتی ہے، شرک، کفر، زنا، چوری، ڈاکہ اور دیگر منکرات اور قبائح انسان کے لئے مہلک خطرات ہیں اور اس کی ہلاکت کے گھڑے ہیں۔انسان کے اندر حیاء کا جوہر موجود ہو تو وہ ان قبائح اور مہلک خطرات سے بچ سکتا ہے۔اور حیاء نہ ہو تو ان میں واقع ہو کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔لہذا دین کیلئے سب سے اہم چیز حیاء ہے۔حیاء نہ رہی تو دین نہیں رہتا۔اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ۔واذا عدمت الحیاء فافعل ماشئت۔یعنی جب تو نے حیا کھو دی تو پھر جو چاہو کرو۔کیونکہ پھر تو تیرے اندر برائی اور قبائح سے رکوانے کا جوہر ہی ختم ہوا ہے اور اب تو کسی بھی قبیح کے ارتکاب سے نہیں شرمائیگا۔

اور یہی وجہ ہے کہ طاغوتی مشن کی علمبردار قوتیں مسلمانوں کو دین اور مذہب سے بیزار کرنے کیلئے یہی حربہ استعمال کر رہی ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں فحاشی وعریانی عام ہو جائے، اور مسلمان مرد اور عورتیں حیاء سے عاری ہو جائیں۔اخبارات، ٹی وی، وی سی آر اور سی ڈیز کے ذریعے فحش تصاویر اور حیاء سوز پروگرام نشر ہوتے ہیں نیز این جی اوز وغیرہ کے ذریعے مسلمانوں کو بے حیا اور فحاش بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔گویا وہ اس نکتہ کو سمجھ چکے ہیں کہ حیا نکل جانے سے دین خود بخود نکل جاتا ہے۔اس وجہ سے وہ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے اندر بے حیائی پھیلانے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔اور جہاں بھی ان کی چال چلی ہے تو وہاں معاشرہ بے دینی کی طرف جارہا ہے۔دوسری

طرف مسلمانوں کی ذہنی غلامی کا یہ عالم ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جو کہ مصداق ہیں اس قول کے کہ: ''اے طبیب جملہ علتھائے ما'' جو کہ امت کے ہر مرض کے طبیب ہیں۔ وہی پیغمبر ﷺ ان کو ہلاکت سے بچنے کے لئے جس زہر سے پرہیز کو لازمی قرار دے رہے ہیں، وہی میٹھا زہر مسلمان، دشمن کے ہاتھوں سے لے لے کر پی رہا ہے۔ اور اس کو اپنی ہلاکت کا احساس تک نہیں ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کو بیدار ہونا چاہیے اور بے حیائی اور فحاشی کا اس سیلاب سے اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے تاکہ جہنم سے نجات حاصل کر سکیں۔

باب ما جاء فی التأنی والعجلة

وقار، تدبر اور عجلت پسندی کا بیان

○ ثنا نصر بن علی أخبرنا نوح بن قیس عن عبد الله بن عمران عن عاصم الأحول عن عبد الله سرجس المزنی أن النبی ﷺ قال: السمت الحسن و التؤدة و الاقتصاد جزء من أربعة وعشرین جزاء من النبوة۔ وفی الباب عن ابن عباس۔ هذا حدیث حسن غریب۔

حدثنا قتیبة أخبرنا نوح بن قیس عن عبد الله بن عمران عن عبد الله بن سرجس عن النبی ﷺ نحوه ولم یذکر فیه عن عاصم و الصحیح حدیث نصر بن علی

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنجیدگی، تدبر اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں جزء ہے۔ اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت آئی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

دوسری روایت میں بھی یہی مضمون نقل کیا ہے اس لئے متن حدیث ذکر کرنے کے بجائے ''نحوہ'' کہہ کر اسی پر اکتفا کیا، البتہ دونوں روایتوں کی سند میں قدرے فرق ہے۔ اس وجہ سے اس کو علیحدہ روایت قرار دیا گیا۔ سند کا فرق یہ ہے کہ پہلی روایت امام ترمذی رحمہ اللہ نے نصر بن علی سے روایت کی ہے، نیز اس روایت میں عبداللہ بن عمران اور عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان عاصم احول کا واسطہ آیا ہے، اور دوسری روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قتیبہ سے روایت کیا ہے اور اس میں حضرت قتیبہ نے عبداللہ بن عمران اور حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان عاصم کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے۔ باقی دونوں نے ایک ہی طرح کی حدیث نقل کی ہے، لیکن

آخر میں امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ نصر بن علی کی حدیث (یعنی پہلی روایت) صحیح ہے۔

توضیح وتشریح: اس باب میں یہ بیان ہورہا ہے کہ وقار، سنجیدگی، تأمل اور تدبر کیساتھ کوئی فیصلہ کرنا، نیز اعتدال، میانہ روی حلم بردباری اور منصف مزاجی کے ساتھ کوئی کام انجام دینا کاملین کی صفت ہے اور جلدی یا عجلت پسندی بری خصلت ہے۔ پہلے والی صفات حسنہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصال میں سے ہیں اور عجلت پسندی شیطان کی طرف سے ہے۔

السمت الحسن:

کا معنی ہے اچھا رویہ، بہتر طور طریقہ اور سنجیدگی۔ التؤدة اور التانی دونوں ہم معنی ہیں، یعنی کسی کام میں سوچ تدبر اور تأمل اختیار کرنا اور جلدی نہ کرنا۔

الاقتصاد: قصد سے مأخوذ ہے اور اس کا معنی ہے اعتدال اور میانہ روی سے کام لینا، افراط وتفریط سے بچنا۔

جزء من اربعة وعشرين جزءا من النبوة:

اس میں دو احتمال ہیں (۱) پہلا احتمال یہ کہ ان صفات کا مجموعہ نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان صفات میں سے ہر ایک صفت نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔ اور اسی دوسرے احتمال کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی ایک مرفوع روایت میں ہے۔ السمت الحسن جزء من خمسة وسبعين جزءا من النبوة۔ یعنی اچھا رویہ اور سنجیدگی نبوت کا پچھتروان جزء ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس خاص عدد کے مذکور ہونے سے مراد تکثیر ہے تحدید نہیں ہے۔

اور علامہ تورپشتی فرماتے ہیں۔ والطريق إلى معرفة ذلك العدد ووجهه بالاختصاص من قبل الرأى والاستنباط مسدود فإنه من علوم النبوة۔

ترجمہ: یعنی رأی اور اجتہاد کے ساتھ اس عدد اور اس کیوجہ تخصیص معلوم کرنے کے لئے راستہ بند ہے کیونکہ یہ علوم نبوت میں سے ہے۔ (جو کہ اجتہاد سے معلوم نہیں کیا جاسکتا)

جزء نبوت ہونے کا مطلب:

یہ جو ذکر ہوا کہ سنجیدگی، تدبر اور میانہ روی نبوت کا ایک جزء ہے اس سے کیا مراد ہے، یاد رکھیں کہ اس سے یہ مراد نہیں لیا جاسکتا کہ نبوت میں تجزی آتی ہے اور یہ مراد بھی نہیں لیا جاسکتا کہ جس آدمی میں اس قسم کی صفات جمع ہوجائیں تو وہ نبی بن جائے گا۔ کیونکہ نبوت وہبی اور عطائی چیز ہے۔ اس میں انسان کے کسب وعمل کا دخل نہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ خصال، خصال نبوت ہیں اور یہ صفات ان کے فضائل کے اجزاء میں سے ہیں لہذا ان اجزاء میں ان انبیاء کرام کی پیروی کریں تو فضائل نبوت کے بعض اجزاء تم بھی حاصل کرسکو گے۔

از حضرت شیخ مولانا محمد منظور نعمانیؒ

عازمین حج کو چند اہم ومفید مشورے

(۵۷ سال قبل لکھا گیا یہ مختصر مضمون حجاج کرام کیلئے اپنے اندر بے انتہا افادیت کا سامان رکھتا ہے۔اس کا مطالعہ اوراس میں درج مشوروں پرعمل آپ کے حج کو مقبول بنانے اور آپ کی زندگی میں تبدیلی لانے کا باعث ہوسکتا ہے۔......(ادارہ)

لکھنؤ اور جوار لکھنؤ کے قریباً ڈیڑھ سوخوش نصیب مسلمان کل بتاریخ ۱۵رشوال (مطابق ۲۱راگست) لکھنؤ اسٹیشن سے بمبئی روانہ ہوئے ہیں' یہ عاجز بھی چند دینی دوستوں اور رفیقوں کی معیت میں اس وقت اسٹیشن پر پہونچ گیا تھا' اور ہمارے جانے کا مقصد صرف رخصت کرنا اور الوداع کہنا ہی نہ تھا بلکہ ایک عمومی مقصد تو یہ تھا کہ جانے والوں کو اگر ہماری کسی خدمت کی ضرورت ہو تو ہم انجام دے سکیں اور اگر کوئی آرام اور سہولت ان کو پہونچا سکتے ہوں تو پہونچائیں۔

اور دوسرا اہم اور خاص الخاص مقصد یہ تھا کہ جانے والے اپنے ان دینی بھائیوں کو کچھ ضروری دینی مشورے دیں اور دین کے متعلق عموماً اور حج وزیارت کے متعلق خصوصاً ضروری اور اہم باتیں ان کو بتلائیں' جن کا معلوم ہونا خاص کراس مقدس سفر کے ہر مسافر کے لئے بے حد ضروری ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ان دوستوں اور رفیقوں کا اولیٰ اور اصل مقصد یہی تھا......لیکن اسٹیشن پہونچکر دیکھا کہ ایک پرشور ہنگامہ ہے اور اچھا خاصہ ایک میلہ سے لگا ہوا ہے' جس میں اللہ کی یاد اوراس کی محبت وعظمت اور عبادت کا ذرہ برابر بھی رنگ نہیں ہے بلکہ عام میلوں اور بازاری مجمعوں کی جو کیفیت ہوا کرتی ہے وہی کیفیت ہے۔

یہ حالت دیکھ کر دل کو بڑا صدمہ ہوا' پھر شور اور ہنگامہ اس درجہ کا تھا کہ سکون واطمینان کے ساتھ کسی سے کوئی بات نہ کہی جاسکتی تھی اور نہ سنی جاسکتی تھی......پھر ہم نے یہ سوچا کہ اگر ان جانے والوں میں دو چار سمجھدار اور پڑھے لکھے ہوں تو ہم انہی سے کچھ باتیں کرلیں اور پھر وہ ہماری باتیں اثناء سفر میں دوسرے ساتھیوں تک پہونچاتے رہیں' لیکن ڈیڑھ سو کے قریب ان جانے والوں میں ایک صاحب بھی ایسے معلوم نہ ہوسکے جو ہماری بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے۔

گویا کہ یہ بیچارے عموماً بے پڑھے یا بہت کم پڑھے لکھے اور ’’ادنی طبقہ‘‘ کے لوگ تھے۔

نیز یہ بھی اندازہ ہوا کہ ان جانے والوں اور جانے والیوں میں غالباً بہت سے ایسے ہوں گے جن کو صحیح طور سے کلمہ پڑھنا بھی نہ آتا ہوگا اور صحیح طریقہ سے نماز ادا کرنے والے تو شاید ان میں چند ہی ہوں گے، اور بہتوں کے متعلق تو اندازہ ہوا کہ غالباً وہ نماز پڑھنا جانتے ہی نہیں ......لیکن اس حالت کے باوجود انہیں اس کی مطلق فکر نہ تھی کہ وہ اپنی اس خامی کو دور کریں اور دین کی جو ضروری اور بنیادی باتیں ان کو معلوم نہیں ہیں وہ انہیں سکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ جن بیچاروں کا کلمہ و نماز درست نہ ہو اور جو روزمرہ کے دینی فرائض وارکان سے بے بہرہ ہوں ان کا حج کیا ہوگا اور مکہ مدینہ کی حاضری سے انہیں کیا ملے گا۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند
کہ برون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

حالانکہ اگر ان لوگوں میں دین کی کچھ بھی فکر و طلب ہو تو صرف حج کے اس سفر میں وہ دین کی تمام ضروری ضروری باتیں بڑی آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔ فی الحقیقت دو ڈھائی مہینہ کا یہ مقدس سفر حج کو جانے والے عام مسلمانوں کے لئے دین سیکھنے کا اور اپنی عملی و اخلاقی اصلاح و تربیت حاصل کرنے کا بہترین موقعہ ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اللہ کے یہ بندے اگر ارادہ کرلیں اور مندرجہ ذیل چند باتوں کا اہتمام اور پابندی کرلیں تو ان میں کا ہر عامی سے عامی انشاء اللہ بقدر ضرورت دین سیکھ کر اور اللہ کا ولی بن کر واپس آئے گا، وہ چند باتیں یہ ہیں:

۱۔ حج کو جانے والا ہر شخص گھر ہی سے یہ نیت اور ارادہ کرلے کہ اس سفر میں مجھ کو دین سیکھنا اور اپنی اصلاح و تربیت حاصل کرنا بھی ہے۔

۲۔ ایک جگہ سے ساتھ روانہ ہونے والے سب حجاج اپنے کو ایک جماعت بنالیں اور ساتھیوں میں جو شخص دین کا زیادہ جاننے والا اور نیک صالح ہو اس کو اپنا دینی معلم قرار دے لیں۔ اور اگر بالفرض اپنے ساتھ والوں میں کوئی اس قابل نہ ہو تو دوسرے مقامات سے جانے والے حاجیوں میں جو لوگ اس لائق ملیں ان میں سے کسی کو اپنا معلم بنالیں۔

۳۔ تعلیم و تربیت کا نظام اور طریقہ وہ رہے جو تبلیغی اور اصلاحی جماعتوں کا ہوتا ہے، اور جس کا ذکر الفرقان کے مضامین کے ضمن میں پہلے کئی مرتبہ ہو چکا ہے اور تعلیم کا یہ سلسلہ پورے سفر میں پابندی کے ساتھ جاری رہے۔

۴۔ حجاج اس مقدس سفر میں گناہ کے سب کاموں اور فضول ولایعنی باتوں سے پورا پرہیز کریں اور جب اپنے ضروری کام کاج سے فارغ ہوں تو یا تو دین سیکھنے سکھانے کے کام میں لگیں اور خصوصاً حج کے ارکان وافعال کی تعلیم حاصل کریں یا اللہ کی عبادت اور اس کے فکر میں مشغول رہیں۔

۵۔ اللہ کا خوف اور اس کی محبت و عظمت دل میں بٹھانے کی خاص کوشش کریں اور اس کیلئے اور دوسرے اچھے اور

جائز مقاصد کے لئے اللہ تعالیٰ سے کثرت سے دعائیں کریں' اللہ سے دعا کرنا بھی عبادت ہے اور اس پاک سفر میں دعاؤں کے قبول ہونے کی امید زیادہ ہے۔

۶۔ ہر شخص کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میرا یہ سفر اللہ کے واسطے ہے اور اس کے مقدس گھر کی حاضری اور حضور انور کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے ہے اور میرے ساتھ جو دوسرے جانے والے ہیں یہ سب بھی اسی مقصد سے جا رہے ہیں اور یہ سب اللہ و رسول کے مہمان ہیں' لہٰذا میری ذات سے ان میں سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے بلکہ جہاں تک ہو سکے میں دوسروں کو آرام پہونچاؤں چاہے مجھے خود تکلیف اٹھانی پڑے' شاید اللہ تعالیٰ میرے اسی عمل سے راضی ہو جائے کہ میں نے خود تکلیف اٹھا کے اس کے مہمانوں کو آرام پہونچایا اور شاید اسی عمل کی برکت سے میرا حج قبول ہو جائے۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ خود تکلیف اٹھا کر دوسرے کو آرام دینا بہت بڑی نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔

۷۔ اور سب سے اہم اور آخری بات یہ ہے کہ ریل میں' جہاز میں اور مکہ معظمہ اور مدینہ کے زمانہ قیام میں اگر اللہ کا کوئی ایسا بندہ مل جائے جس کی صحبت سے اور جس کی باتوں سے دینی فائدہ ہوتا ہو یعنی اللہ یاد آتا ہو اور دل میں اس کی محبت اور اس کا خوف پیدا ہوتا ہو تو اس کی صحبت کو اکسیر اور کیمیا سمجھیں اور کچھ دیر اس کے پاس جا کر ضرور بیٹھا کریں' اگر جانے والوں نے اس مقدس سفر میں ان چند باتوں کا اہتمام کر لیا تو امید ہے کہ انشاء اللہ وہ بڑی دینی برکتوں کے ساتھ واپس ہوا کریں گے اور ان کا حج بڑا مبارک اور مقبول حج ہوگا۔

ناظرین کرام سے گزارش:

جن حضرات کی نظر سے یہ مختصر سا مضمون گزرے اگر وہ صرف اتنا کریں کہ ان کے علم میں جو لوگ حج کو جانے والے ہوں' یہ چند مشورے ان تک پہونچا دیں تو انشاء اللہ وہ بڑے اجر کے مستحق ہوں گے۔ اور کیا عجب ہے کہ صرف ان کی اس تھوڑی سی کوشش اور محنت سے اللہ کے کسی بندے کو دین کی دولت مل جائے اور اس کا حج مبارک اور مقبول ہو جائے۔ (رقم زدہ ۱۶ رشوال المکرم ۶۷ھ مطابق ۲۲ راگست ۱۹۴۸)

آپ اپنے گرانقدر مقالات مدیر ''الحق'' بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں۔

email: editor_alhaq@yahoo.com

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط و ترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اسلام میں انسانی حقوق اور اخلاقی اقدار

این جی اوز کی یلغار اور مکافات عمل

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد فعن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لا یؤمن عبد حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کی قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

وعن عائشه و ابن عمر عن النبی صلعم قال مازال جبرائیل یوصینی باالجار حتی ظننت انه سیورثه (بخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیلؑ مجھ کو ہمیشہ ہمسایہ کے حق کا خیال رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ حضرت جبرائیلؑ عنقریب پڑوسیوں کو ایک دوسرے کا وارث قرار دیں گے۔

معزز حضرات ابھی تک حقوق العباد کا جو ذکر ان مذکورہ احادیث کے ضمن میں ہوا آپ کو یہ بات ذہن نشین ہوئی ہوگی کہ کسی کی حق تلفی، زیادتی اور ظلم کو معمولی سمجھ کر اس کی تلافی نہ کرنا اپنے تمام عبادات کو دوسروں کی جھولی میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

آخرت میں غاصب کی سزا:

حضورؐ سے مروی ہے کہ تین پیسے کے بدلے غاصب کے سات صد مقبول نمازیں حقدار کو دلائی جائیں گی۔ اول تو ہماری نمازیں اور عبادات اس قابل کہاں کہ اللہ کے حضور شرف قبولیت حاصل کر سکیں۔ اگر اللہ اللہ کر کے بعض عبادات اخلاص اور یکسوئی سے ادا ہو بھی گئیں تو ان کے مقابلہ میں اتنی حق تلفیاں اور حیلہ بہانے سے دوسروں کی جان و مال میں خیانت کا ارتکاب کیا کہ آپ سن چکے ہیں کہ ظلم و زیادتی کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ جب تک بندہ اپنا حق معاف

نمٹرے اس وقت تک مالک الملک بھی معاف نہ کرے گا۔ اگر دنیا ہی میں حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی کمی مکافی نہ ہوئی تو نتیجہ پھر یہی نکلے گا کہ اعمال حسنہ مظلوم کے نامہ اعمال میں جمع ہو جائیں گے اور اس کے گناہ ظالم کے کندھوں پر ڈال کر جہنم جانے کا حکم دیا جائے گا۔

حقوق العباد میں تقصیرات کے بدلے مقبول اعمال کیلئے جائیں گے:

رحمۃ للعالمین کا ارشاد گرامی ہے: عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اتدرون من المفلس قالوا المفلس فینا من لادرھم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیامة بصلوة وصیام وزکوة ویاتی قدشتم ھذا وقذف ھذا واکل مال ھذا وسفک دم ھذا وضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناته فان فنیت حسناته قبل ان یقضی ما علیه أخذ من خطایاھم فطرحت علیه ثم طرح فی النار۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ حضور ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا (صحابہ سے) کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ درھم ہو دینار ہو اور نہ سامان و اسباب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں مفلس شخص (حقیقتاً) وہ ہوتا ہے جو روز محشر میدان حشر میں دنیا سے نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دیگر مقبول عبادات) لے کر آئے گا۔ مگر اس کے ساتھ اس نے کسی کو (دنیا میں) گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کے مال کو ہڑپ کیا۔ کسی کا خون بہایا کسی کی (بلاوجہ) پٹائی کی اس کی نیکیوں سے قیامت کے دن جس کو گالیاں دیں تھیں اس کے مقدار نیکیاں دی جائیں گی جس کا ناحق خون بہایا۔ کچھ عبادات مقبولہ خون کے بدلے اس کو دے دی جائیں گی۔

اسی طرح جس جس بندے کی حق تلفی کی اس کے عوض اس کی نیکیاں ان میں تقسیم کر کے ان سے جو زیادتیاں کی گئی ہیں ان کا مداوا کر دیا جائے گا۔ یہ اپنے ساتھ جو ڈھیروں مقبول عبادات میدان محشر لایا تھا حقوق العباد کو تلف کرنے کی سزا اور عبادت کو ان کے حقوق کی ادائیگی جو عدل کا تقاضا ہے کے طور پر ان مظلومین میں تقسیم ہونے کے بعد بھی حقوق العباد میں کوتاہی کرنے کی سزا پوری نہ ہوگی۔ بندوں کے حقوق میں جو تقصیرات کئے وہ زیادہ اس کے مقابلہ میں اس بندہ کے مقبول اعمال کم پڑ جائیں گی۔ اب اللہ کی شان عدل سے تو یہ بعید ہے کہ روز حساب ظالم کو مظلوم کا حق واپس کئے بغیر ظالم کو معاف کیا جائے۔ تو اس بدلہ چکانے کی صورت یہ ہوگی کہ مظلوموں اور حقداروں کے گناہ جو ان سے دنیا میں سرزد ہوئے۔ اس شخص یعنی زیادتی کرنے والے پر ڈال کر اسے جہنم میں پھینک دینے کا حکم دے دیا جائیگا۔

مکافات عمل:

سید الرسل کے اس زرین قول کو پڑھنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح مزید واضح ہو جاتی ہے کہ شریعت مطہرہ میں انسانوں کی عزت نفس اور حقوق کی پامالی کرنے والوں نے اگر متاثرہ فرد یا افراد کے ساتھ دنیا ہی میں معافی یا کسی شرعی اصول کے تحت زیادتی کا معاملہ نہ نمٹایا۔ تو مجرم کو آخرت میں معافی ملے گی۔ نہ اس کے حق میں کسی کی سفارش کارگر ہو گی۔ مکافات عمل کے بعد آپ حضرات خود نتیجہ اخذ کرلیں کہ اپنے ساتھ نیکیوں کے انبار لایا۔ واپسی ہوئی تو نیکی ساتھ لے جانے کا تو تصور نہیں گناہوں کے بوجھ سے لدھ کر جہنم میں داخل ہو رہا ہے۔ اصل مفلس یہی ہے' دنیاوی فقر و فاقہ' غربت و ناداری کے شکار شخص کو حقیقی مفلس کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہاں کی غربت و مالداری کا تعلق تو صرف اس چند روزہ حیات مستعار کی حد تک ہے' مرتے ہی اس افلاس کا سلسلہ اور بندہ سے تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ مفلس کی جو تعریف امام الانبیاء ﷺ نے فرمائی جس پر وہ تعریف لاگو ہو کر اس کا مصداق بن جائے وہ ہمیشہ ہمیشہ ایسے عذاب میں رہتا ہے جس سے نجات کی فکر جب تک ہم زندہ ہیں نہ کریں آنکھیں بند ہونے کے بعد پھر حسرت اور حسرت ہی ہو گی۔

کمزور' معذور' مظلوم اور مجبوروں کے حقوق:

رہتی دنیا تک انشاء اللہ قائم و دائم عالمگیر اور فطری مذہب اسلام کے آفاقی اور عدل و انصاف پر مبنی اصولوں سے ناواقف لوگ اور معاندین اپنے جہل اور عناد کی وجہ سے حقوق انسانی کے بارے میں اسلام کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ جبکہ اسلام میں تمام مخلوقات کے حقوق کا متعین ہونا تو اپنی جگہ حتی کہ اپنے غلام اور باندی تک کے بارے میں حکم ہے جو خود کھائے اسے بھی کھلائے جو خود پہنے ان کو پہنائے۔ امت و انسانیت اور مخلوقات پر خدا کے بعد سب سے بڑھ کر مشفق و مہربان خاتم الانبیاء کا فرمان ہے۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ اخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن جعل اللہ اخاہ تحت یدیہ فلیطعمہ و مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا یکلف من العمل مایغلبہ' فان کلفہ ما یغلبہ فلیعنہ علیہ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور تمہاری ہی طرح ہیں۔ (تمہاری آزمائش کے لئے) ان کو اللہ نے تمہارے کنٹرول میں دے دیا ہے۔ اس لئے اللہ جل شانہ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے تو مالک کو چاہیے جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے اسی کو بھی پہنائے اور اس سے کوئی ایسا (سخت) کام نہ لے جو اس کی طاقت میں نہ ہو اور اگر (بامر مجبوری) کوئی ایسا کام اس سے لیا جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس (سخت کام) میں خود بھی اس کی مدد کرے۔ اسلام میں تو اپنے سے کمزور' اور مظلوم و مجبور

انسان کے وہ حقوق ذکر ہیں جنہیں پڑھ کر متعصب سے متعصب غیر مسلم بھی اپنے مذہب اور رویہ پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو کر اسلام کی حسن وخوبی کے بارے میں اعتراف کر جاتا ہے۔

این جی اوز اور مفادات کی جنگ:

دنیا میں انسانی حقوق کے پرچارک اور اپنے آپ کو عدل واحسان کے چیمپیئن کہلوانے والے ممالک اپنے مخالفین اور باغیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھتے ہیں۔ وہ آپ کے سامنے ہے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے پر جوادارے تنظیمیں اور این جی اوز زیادتی کرنے والوں کے خلاف جس جدوجہد کا دعویٰ کرتی ہیں ان کا مظلوم اقوام بالخصوص مسلمانوں کے بارہ میں ڈبل معیار' منافقت سے بھرپور رپورٹیں بھی آئے دن آپ پڑھتے سنتے رہتے ہیں۔ ان کے ہاں حقوق انسانی کی اپنی اپنی خودساختہ تعریفات ہیں۔ دراصل ان دوغلی پالیسیوں پر عمل پیرا نام ونہاد مہذب لوگوں کے ہاں نہ حقوق ہیں اور نہ انسانیت کی کوئی عظمت واہمیت۔ صرف اپنے اپنے مفادات اور مطلب براری معیار ہیں۔

دوہرا معیار:

اگر عظمت وحقوق آدمیت کی پابندی اور رعایت ہے تو صرف اسلام میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کبھی بھی حقیقی معنوں میں اسلامی نظام کے نفاذ کی ان مصنوعی انسانی حقوق کے دعویداروں کو اطلاع ہوجاتی ہے۔ اس خطہ زمین پر رہنے والوں مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے انسانیت وآدمیت کے یہ ازلی دشمن متحد ہوجاتے ہیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ اور اس کی برکات کے بدولت امن وسکون' احترام آدمیت' عدل وانصاف اور مروت واحسان وغیرہ کے اثرات دنیا کے پسے ہوئے اور مظلوم اقوام کے خواب خرگوش سے بیداری کا سبب بن سکتے ہیں۔ اس اندرونی خوف کی وجہ سے اسلامی قوتوں' تحریکوں اور اداروں پر دہشت گردی' بنیاد پرست اور انتہا پسند' قدامت پسند وغیرہ کے الزامات لگا کر اسلام دشمنوں کو ان کے خلاف اٹھنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اور یہ ظالم پھر دشمنی کے اس آگ میں جب جلنے لگتے ہیں تو نہ ان کو مسلمان بوڑھے کے حقوق یاد رہتے ہیں نہ عورت' مریض اور بچے کی تمیز کرتے ہیں۔ گنہگار اور بیگناہ کا فرق کرنا تو ان خدا دشمنوں کے ہاں موجود ہی نہیں۔ ان کے مسلمانوں پر ظلم وجبر کے پہاڑ گرانے کے مقابلہ میں رحمت عالم ﷺ کے اپنے آپ پر قتل کا حملہ کرنے والے سے سلوک کا موازنہ کیجئے کہ اسلام اور ہادی عالم کا کردار وتعلیمات دہشت وخونریزی پر مبنی ہیں یا عصر حاضر کی دنیا کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنانے والے خودساختہ لاکھوں بے گناہ مردوزن کے خون سے ہولی کھیلنے والے دعویداروں کے۔

دشمنوں کے حسنِ سلوک کا نادر معاملہ:

آج کی مہذب دنیا مرشدِ عالم ﷺ نے اپنی جان کے دشمن کے ساتھ جو معاملہ فرمایا کیا اس کی نظیر پیش کرسکی ہے۔

عن انس ان ثمانین رجلاً من اھل مکة ھبطوا علی رسول اللہ ﷺ من جبل التغیم متسلحین یریدون غرة النبی ﷺ واصحابہ فاخذھم سلماً فاستحیاھم وفی روایة فاعتقھم

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے خلاف مکہ کے اسی (۸۰) آدمی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر تنعیم کے پہاڑ سے اتر آئے جن کا ارادہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب پر اچانک حملہ کر کے ان کو نقصان پہونچائیں لیکن آپ ﷺ نے (بغیر لڑائی) ان سب کو بے بس اور ذلیل کر کے گرفتار کر لیا۔ پھر ان کو زندہ رہا کر دیا۔

اور ایک روایت میں ہے (ان کو غلام رکھنے کی بجائے) آزاد کر دیا۔

باغیوں کے انسانی حقوق کا تحفظ:

آج تو معافی اور رہائی کا تصور نہیں۔ کسی معمولی صاحب اقتدار کا کسی پر شک ہو کہ فلاں سے مجھے نقصان پہونچانے کا خطرہ ہے۔ تو اس کے بدلہ جس پر شک ہوا اس کے ماں باپ اور پورے خاندان کو انتقام کی آگ کی بھٹی میں جھونک دیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان برائے نام حقوق انسانی کے ٹھیکیداروں کے ہاں انسان اور پھر مسلمانوں کے کوئی حقوق نہیں، یہ صرف خدائی قانون شریعت کی ہی خصوصیات ہیں کہ اس میں باغیوں کے بھی حقوق مقرر ہیں۔ کفار کو لیجئے۔ اللہ کو وحدہ لاشریک ماننے سے باغی۔ انبیاء کو اللہ کی طرف سے حق کے داعی ہونے سے منکر عذاب قبر، روز قیامت اور جنت و دوزخ کے تصور سے عاری۔ مگر ان بداعمالیوں اور عقائد کی خرابی کے ہوتے ہوئے اسلام میں انکے بھی کچھ حقوق رکھے گئے ہیں

میدان کارزار میں خواتین، بچوں اور معذوروں کے تحفظ کی ہدایت:

جب کفار سے جنگ کا معرکہ زوروں پر ہے، نبی الرحمۃ ﷺ کا اپنے لشکر کو کفار سے اس حالت میں بھی غیر انسانی اور غیر اخلاقی برتاؤ نہ کرنے کی ہدایات دے کر یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ اسلام اور مسلمان، روئے زمین پر امن، سلامتی کے علمبردار ہیں، کسی کا ناحق خون بہانا حالت جنگ میں بھی ان کے ہاں روا نہیں۔ اور نہ اس فرد کو نقصان پہونچانے کی اجازت ہے جو عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف حالتِ جنگ میں شریک نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے

عن رباح بن الربیع قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی غزوة فرأی الناس مجتمعین علی شیء فبعث رجلا فقال انظر علی ما اجتمع ھؤلاء فجاء فقال علی امرأة قتیل فقال ما کانت ھذہ لتقاتل وعلی المقدمة خالد بن الولید فبعث رجلا فقال قل لخالد لاتقتل امرأة ولا عسفا (رواۃ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت رباح بن ربیع سے روایت ہے کہ ہم ایک جنگ میں حضور ﷺ کے ہمراہ میدانِ جنگ میں تھے کہ کچھ

لوگ کسی جگہ ایک چیز کے ارد گرد جمع تھے۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا اور فرمایا کہ وہاں جا کر دیکھو لوگ کس چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں، اس شخص نے واپس آ کر عرض کر دیا کہ ایک عورت کو قتل کر دیا گیا ہے، لوگ اس کی لاش کے پاس جمع ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا وہ عورت تو نہیں لڑ رہی تھی (پھر اسے قتل کرنے کا کیا جواز تھا) لشکر کے ابتدائی حصہ کی کمان اسوقت حضرت خالد بن الولید کے پاس تھی۔ حضور ﷺ نے پھر اس شخص کو حضرت خالد کے پاس بھیجا کہ خالد کے پاس جا کر اسے کہدو کہ جنگ میں کسی (جب تک عملاً جنگ میں شریک نہ ہوں) معذور اور عورت کو قتل نہ کرو۔

نہد نام زنگی کافور:

اسلام تو امن و آشتی کا دامن حتی الامکان تھامنے کا بابار تلقین کر رہا ہے۔ جنگ اور امن دونوں صورت میں انسانی حقوق کی پابندی پر زور دے رہا ہے۔ دوسری طرف انسانیت کو ان کے حقوق دلوانے نام پر راسی انسان کا جس بیدردی سے خون بہایا جا رہا ہے وہ ہر روز آپ لوگ میڈیا میں سنتے رہتے ہیں۔ پھر بھی یہ ظالم اور انسانیت کے قاتل بڑے فخر سے اپنے آپ کو دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے چیمپین بننے کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ فارسی کے اس مقولہ "نہد نام زنگی برعکس کافور" کا مصداق ہیں کہ کالے حبشی پر کافور جو کہ انتہائی سفید ہے نام رکھ دیا جائے۔ یہی صورتحال ان اسلام دشمن طاقتوں کی ہے، کہ اسلامی دنیا میں آگ اور خون کا جو کھیل شروع کیا ہوا ہے۔ اسے انسانی حقوق کی بحالی، امن کے قیام کا نام دے رکھا ہے۔

اقلیتوں کے حقوق کا نبوی اعلان:

مسلمانوں کے ساتھ ان نام نہاد تہذیب یافتہ ملکوں کا یہ سلوک ہے جبکہ اسلام میں مسلمان تو مسلمان وہ کافر جو مسلم ملکوں میں مملکت کے اسلامی شرائط کے مطابق رہنا چاہتا ہے، ان کے حقوق کی حفاظت کا بھی برملا اعلان کر کے ذمہ وار رعایا اور ملک کے سربراہ کو ٹھہراتا ہے۔ نبی الرحمۃ ﷺ کا فرمان ہے:

دماءهم كدمائنا واموالهم كاموالنا واعراضهم كاعراضنا۔

ترجمہ: ان (کافروں ذمیوں) کا خون مسلمانوں کے خون کی طرح اور ان کے مال مسلمانوں کے اموال کی طرح اور ان کے ابرو مسلمانوں کے ابرو کی طرح محترم ہیں۔ یعنی جیسے مسلمان کے جان مال عزتیں محفوظ ہیں اسلامی دنیا میں رہنے والے کفار کو بھی یہی حقوق حاصل ہوں گے۔ افسوس کہ پھر بھی جان بوجھ کر اسلام جیسے حقوق کے داعی وامن و سلامتی سے بھرپور دین پر حملے کئے جا رہے ہیں۔

رب کائنات پوری دنیا کو اسلام و شریعت کی معطر ہواؤں سے معمور و منور فرماویں۔ (امین)

پروفیسر سید نقی حسین جعفری*

تہذیبوں کا ٹکراؤ
یا امریکی استعمار کا پیش خیمہ؟

''تہذیبوں کے ٹکراؤ'' کے عنوان سے سیموئیل ہن ٹنگ ٹن نے اپنا مقدمہ "Foreign Affaris" نامی جنرل میں 1993 میں پیش کیا تھا۔ بعد میں یہی مقدمہ (Thesis) مزید وضاحتوں اور اضافوں کے ساتھ کتابی شکل میں "The Clash of Civilization and the Remaking of World Order" ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ اس میں بنیادی مفروضات کی نئی ترتیب اور معلومات ہیں۔ اس کتاب کے پانچ حصے ہیں: (۱) تہذیبوں کی دنیا۔ (۲) تہذیبوں کے بدلاؤ کا نقطہ ارتکاز (۳) تہذیبوں کی ترتیب نو۔ (۴) تہذیبوں کا ٹکراؤ اور (۵) تہذیبوں کا مستقبل۔

پہلے باب میں مؤلف کا استدلال ہے کہ عالمی سیاست پہلی بار "Multipolar" اور "Multi Civilizational" بننے کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ جدید کاری "Modernization" تقلید مغرب "Westernization" سے مختلف چیز ہے۔ دوسرے باب میں مولف نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ تہذیبوں کے مابین قوت کا تناسب بدل رہا ہے اور مغربی دنیا کا اثر کم ہو رہا ہے جب کہ اسلام کی اشاعت میں اضافے کے باعث مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوا ہے اور یہ بات مسلم ممالک کے پڑوسیوں کے لئے خطرناک ہے۔ تیسرے باب میں تہذیبی بنیادوں پر عالمی برادری کی ترتیب نو سے بحث کی گئی ہے اور یہ مفروضہ پیش کیا گیا ہے کہ یہ ترتیب نو "Core" ممالک کی مرکزیت کے حوالے سے ہوگی۔ چوتھے باب میں مغربی تہذیبی وحدت کے مدمقابل اسلام اور چین کو پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں ان خطرات سے بھی بحث کی گئی ہے جو مسلم اور غیر مسلم ممالک کے درمیان سرحدی تنازعات کو لے کر سامنے آئیں گے۔ پانچویں اور آخری باب میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مغربی امریکی تہذیب کی بقاء کا دارومدار اس میں مضمر ہے کہ وہ اپنی شناخت قائم رکھیں اور اپنے نظام اقدار کو بے مثال تو سمجھیں لیکن اسے عالمی نہ سمجھیں۔ یعنی انہیں یہ بھول نہیں کرنی چاہیے کہ ان کا ''نظام اقدار'' کبھی بھی ''عالمی'' بن سکتا ہے۔ بعد میں یہ بھی

* انگلش ڈیپارٹمنٹ جامعہ ملیہ اسلامیہ، منیجر خدیجہ الکبریٰ گرلس سیکنڈری سکول، نئی دہلی

کہا گیا کہ آئندہ عالمی جنگ سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ عالمی قیادت یہ تسلیم کرے کہ بقائے باہم اور تعاون میں ہی عافیت ہے اور یہ کہ دنیا ایک مخصوص تہذیب سے عبارت نہ ہو کہ کثیر الجہات تہذیبی ورثے سے پہچانی جائے گی۔

تین سال کے فرق سے لکھی گئی یہ کتاب اصولی طور پر پرانے مقدمے "Thesis" سے مختلف نہیں ہے۔

اس مدت میں سیاسی طور پر سب سے اہم سلسلہ واقعات بوسنیا کا مسئلہ اور اس ضمن میں روس کی پشت کے قیام کی مخالفت شدومد سے جاری رہی۔ سابق یوگوسلاویہ کی خانہ جنگی بالآخر تین نئی ریاستوں بوسنیا ہرزیگونیا کے نام سے بنی۔ سب سے زیادہ خون خرابہ بوسنیا کے نام پر ہوا اور یوروپی نظام اقدار کا بھرم ٹوٹ گیا۔ اس مسئلہ پر صدر کلنٹن کی سخت روش اور ناٹو "Nato" جیسی فوجی تنظیم نے بوسنیا کے قیام کو ممکن بنا دیا۔ ہن ٹنگ ٹن جدید عالمی تہذیب کو ہم قطبی "Multipolar" اور کثیر الجہات مانتے ہوئے بھی مغربی امریکی تہذیبی برتری کے خیال کو ترک نہیں کرتا۔ وہ اپنے تجزیہ میں کہتا ہے: ''جو امور مغربی دنیا کو باقی دنیا سے الگ کرتے ہیں اور جن کی بڑھتی ہوئی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا وہ تین امور حسب ذیل ہیں:

(۱) مغرب کو ہر صورت میں اپنی فوجی برتری قائم رکھنی ہے اور اس سلسلے میں ایٹمی توانائی کے حصول سے دوسرے ملکوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔ (۲) مغربی سیاسی اقدار اور اداروں کو مقبول بنایا' مغربی طرز کی جمہوری حکومت کے فروغ اور حقوق انسانی کا وہ تصور جیسا کہ مغرب میں ہے دوسرے تک پہنچانا اور (۳) مغرب کی نسلی' سماجی' اور ثقافتی شناخت کی حفاظت اور اس ضمن میں ایشیائی اور افریقی ممالک سے ہجرت کرنے والوں کی تعداد پر مناسب کنٹرول۔ ان تینوں میں مغرب کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

بالفاظ دیگر فوجی اور معاشی بالادستی' مغربی سیاسی اقدار کا فروغ اور مغربی طرز کی جمہوری حکومتوں کے قیام پر اصرار اور مغربی نسلی' سماجی اور ثقافتی شناخت کا تحفظ اور ان مقاصد کے حصول کے لئے جنگیں اور بدترین فوجی کارروائی جیسا کہ ہم نے افغانستان اور عراق میں دیکھا ہے۔ اور سطحی طور پر یہ راگ بھی الاپا جائے کہ دنیا ہمہ قطبی "Multipolar" اور کثیر الجہات تہذیبوں سے عبارت ہے اور بقائے باہم کے اصولوں پر عمل ہونا چاہیے۔ دونوں باتوں میں کتنا فاصلہ اور اجتماع ضدین ہے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ امریکہ کو اتنا با اختیار اور قوی بنانے میں ہمارے آپسی تضادات اور اختلافات کو بھی دخل ہے۔

مسلمانوں کے بارے میں بالعموم اور عربوں کے بالخصوص جیسی سطحی واقفیت منصف کی پہلے مضمون سے ظاہر تھی' ویسی ہی اس کتاب میں ہے۔ وہ جدید تہذیب کے خط وخال کو سمجھنے میں لاطینی اور رومن سلطنت تک تو پہنچتا جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد یوروپی نشاۃ ثانیہ اور جدید تہذیب تک پہونچ جاتا ہے رومن تہذیب کے زوال اور یورپی نشاۃ ثانیہ کے آغاز کے درمیان ہزار سال کے بارے میں مولف کچھ کہے بغیر آگے گزر جاتا ہے۔ عربی زبان اور عرب

تہذیب تمدن کا ذکر اگر آتا ہے تو بہت سطحی اور سرسری۔ ہن ٹنگ ٹن اس حقیقت سے کیسے ناواقف ہوسکتا ہے کہ ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک عربی زبان کی حیثیت "Lingua Franca" یعنی عالمی علمی زبان کی تھی اور دنیا کا سارا علم عربی زبان میں موجود تھا۔ اس ایک ہزار سالہ علمی ورثہ کو صرف تنگ نظر مورخین نظر انداز کرتے ہیں یا سرسری ذکر کرتے ہیں۔ آج کل ہندوستان کی بعض یونیورسٹیوں میں عہد وسطیٰ کی تاریخ نہیں پڑھائی جاتی۔ عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ فارسی جاننے والے لوگ نہیں ملتے۔ اسی طرح پاکستان میں قدیم ہندوستانی تاریخ کو بھی عرصہ تک پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ یہ روئے غیر علمی اور تعصب پر مبنی ہیں۔ ہن ٹنگ ٹن بھی اس کا مرتکب ہے' لیکن یہ صرف تساہلی اور مؤخذ سے ناواقفیت کا معاملہ نہیں ہے' یہ مسلمانوں کے علمی ورثے کو دانستہ طور پر نظر انداز کرنے کی بات ہے تاکہ اس دور کے بعض مفروضات کو جو جہالت اور غفلت پر مبنی ہیں استحکام دیا جائے۔

"Karl H.Dannenfeldt" کا مضمون بعنوان "Renaissance Humanists the Knowledge of Arabic" جو "M.A Shaaber" کی ترتیب دی ہوئی کتاب میں شامل ہے اور جسے "Renaissance Society of Amrica" نے ۱۹۵۵ء میں شائع کیا ہے' مختلف علوم کے یورپین ماہرین کی عربی دانی کے بارے میں سند کے ساتھ معلومات فراہم کرتا ہے۔

عرب ممالک کے سیاسی نظام کی گرفت ہن ٹنگ ٹن نے ضرور کی ہے اور بڑی حد تک درست بھی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد عرب ممالک میں خاندانی بادشاہت کے علاوہ جو نظام مقبول ہوا وہ سوویت طرز کا تھا۔ جس میں پارٹی کی حکمرانی ہوتی ہے۔ یہ نظام عراق' شام' مصر' الجزائر' یمن اور بعض دوسرے ممالک میں قائم ہوا' لیکن یہی نظام مشرقی یورپ میں بھی تھا جو سوویت یونین کے زیر اثر تھے۔ ہن ٹنگ ٹن اپنی کتاب میں نئے نظام کے عنوان سے لکھے گئے باب میں مشرقی یورپ کو تو آسانی سے مغربی تہذیب میں شامل کرتا ہے' لیکن عرب ممالک کو اس سے خارج کر دیتا ہے۔

گزشتہ شماروں میں ہم نے عرب ممالک کے سیاسی نظام کی کمزوریوں کی نشاندہی کی تھی' لیکن وہاں کچھ ایسی خصوصیات ضرور ہیں جن کی وجہ سے سیاسی نظام معاشرے پر زیادہ حاوی نہیں ہو پاتا۔ ان میں سب سے ممتاز خاندان کا تصور ہے۔ اسی تصور کی وجہ سے بزرگوں اور بڑے بوڑھوں کی جتنی تکریم عرب ممالک میں ہے' دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ "Rule of Law" تو نہیں ہے کہ اس کی ذمے داری ریاست پر عائد ہوتی ہے لیکن شریعت پر عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ ذاتی زندگی اور خاندانی زندگی میں حرام اور حلال کی تمیز' زکوٰۃ کا نظام' وراثت کی تقسیم اور قرآنی علوم اور مکتب تک کی تعلیم کا نظام پورے عالم عرب میں قائم ہے۔ حکومت کسی قسم کی ہو' سیاسی نظام جیسا بھی ہو' عرب معاشرے کی بنیادی قدریں نہ ختم ہوسکتی ہیں اور نہ اس میں کسی قسم کی کمی آسکتی ہے۔

مغرب میں الجزائر سے مشرق اقصیٰ میں انڈونیشیا تک اور وسط ایشیا سے وسطی افریقہ تک عرب اسلامی

تہذیب ایسے تناظرات کی حامل ہے جو یقیناً توجہ طلب ہے۔ اگر کبھی ریاستی جبر سے آزاد کسی معاشرے کا خیال آتا ہے تو وہ معاشرہ اسی خطے میں تصور کیا جا سکتا ہے' خاندان کی وحدت اور خاندانی اقدار "Family Values" جیسی اس منطقے میں نظر آتی ہیں دنیا کے دوسرے حصوں میں نہیں۔ دوسری تہذیبیں مغربی نظام میں خاندان کے ٹوٹنے اور بکھرنے کے اثرات کو روکنے سے قاصر نظر آتی ہیں۔ جبکہ عرب اسلامی تہذیب خاندانی اقدار کو باقی رکھنے میں پوری طرح کامیاب ہے۔ مسجد سے ملحق مدرسہ اور مکتب نے خواندگی اور بعض بنیادی تعلیمی صلاحیتوں کا اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انگریزی کی بالادستی اور ہندوستان میں بالخصوص اردو کیساتھ سوتیلے پن کے برتاؤ کے نتیجے میں مسلمانوں میں خواندگی کی شرح جتنی ہے اس کی آدھی بھی نہ ہوتی۔ خاندانی اقدار کی بقا بزرگوں کے اکرام کی ضمانت ہے۔ متحدہ خاندان' شہروں میں بھلے ہی زوال پذیر ہے' لیکن قصبات اور گاؤں میں اسکے باوصف بہت سی اقدار باقی ہیں۔ بڑی حد تک انسانی معاشرے میں عرب اسلامی تہذیب نے ''حیا'' کے تصور کو زندہ رکھا ہے اور مرد اور عورت کے رشتے کی پاکیزگی پر اصرار سے دنیا کو بڑی معصیت سے بچایا ہے۔ آزادانہ جنسی اختلاط کے نتیجے میں پیدا ہونے والے امراض جسے آج کل "Aids" کے نام سے جانا جاتا ہے' مسلم معاشرے میں یا تو نہیں کے برابر ہیں یا بہت کم۔

اسی طرح زکوٰۃ کے نظام سے ہزاروں بلکہ لاکھوں مفلوک الحال لوگ مستفید ہوتے ہیں اور سماج کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ اِن چند وضاحتوں سے صرف یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ریاستی ڈھانچہ نہ بھی ہو تو الجزائر سے انڈونیشیا تک انسانی معاشرہ حقوق اور فرائض سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ مسلم ممالک میں جو خرابیاں آئی ہیں وہ ریاستی جبر اور طرز حکومت کے نتیجے میں آئی ہیں۔ جسے لازماً عوام پر مسلط کیا جاتا ہے۔ ایک بات اور توجہ طلب ہے کہ ان ممالک میں عوامی اور معاشرتی زندگی تقریباً یکساں نظر آتی ہے خواہ وہاں بعث پارٹی کی حکمرانی ہو یا نام نہاد اسلامی حکومت۔ یعنی خاندانی اقدار' مسجد سے ملحق مدرسہ' زکوٰۃ کا نظام اور عمومی طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کا شعور اور جوابدہی کا شعور اور جوابدہی کا خیال و پاس' چاہے شام کا کوئی شہر ہو یا سوڈان کی دیہی آبادی' سمرقند ہو یا انڈونیشیا کے جزیرے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ہن ٹنگ ٹنیا اس جیسے کسی دوسرے کم علم اور کج فہم مصنف کی نظر ان حقائق پر نہیں جاتی۔ عراق جیسے قدیم ترین تہذیبی گہوارے کی قسمت کا فیصلہ صدام حسین کے کردہ اور نا کردہ اعمال پر کر دیا جاتا ہے اور نتیجے میں لاکھوں بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں۔ ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء میں امریکی تجارتی مراکز میں کئے گئے حملوں کا بدلہ افغانستان کے غریب اور غیور پٹھانوں سے لیا گیا جو کسی طرح بھی ان مراکز بتاہی کے ذمہ دار نہ تھے۔ تہذیبی اقدار کی نمائندگی ارباب حکومت کے بجائے عوام میں دیکھی جانی چاہیئے ورنہ ہلاکو اور جارج بش میں کیا فرق رہ جائے گا؟ قارئین جانتے ہیں کہ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان نے خلیفہ مستعصم باللہ کے کسی معمولی عمل یا رویے سے ناراض ہو کر بغداد پر حملہ کیا تھا اور ایک شہر ہی نہیں ایک تہذیب کو برباد کر دیا۔

یوگندر سکند

انگریزی سے ترجمہ: مولانا وارث مظہری

ہندوستانی مدارس اور دہشت گردی

(یوگندر سکند انگلش کے ماہر قلم کار و مصنف ہیں۔ مسلم موضوعات سے انہیں خصوصی دلچسپی ہے' اس تعلق سے بکثرت ان کی تحریریں اخبارات و مجلات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ یونیورسٹی آف لندن سے انہوں نے تبلیغی جماعت کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی جو Orient Longman, Dehli سے "دی اوریجنس اینڈ ڈیولپمنٹ آف دی تبلیغی جماعت" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ فی الحال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار دی اسٹڈی آف اسلام ان دی ماڈرن ورلڈ" (ہالینڈ) میں پوسٹ ڈاکٹریٹ کے طالبعلم ہیں اور ہندوستانی مدارس پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ مترجم)

ستمبر ۲۰۰۱ء میں عالمی تجارتی مرکز (W.T.C) کے جڑواں مناروں کو جہازی بم کے ذریعہ زمین بوس کردئے جانے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس کے نتیجے میں فکر و تشویش کا وہ ماحول پیدا ہوا' جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے' یہ فکر و تشویش اس بات کو لے کر تھی جسے ڈھیلے ڈھالے انداز میں بنیاد پرست اسلامی تحریکات کا نام دیا جاتا ہے' ان حملوں کی بناء سرکاری اہل کاروں' پالیسی سازوں اور عمومی سطح پر لوگوں کے درمیان مدارس سے متعلق دلچسپی اور تجسس میں اضافہ ہوا' جن سے متعلق لوگوں کی معلومات نہایت محدود اور سطحی نوعیت کی ہیں۔ موضوع سے متعلق تفصیلی اور ہمہ گیر معلومات کے فقدان' نیز عصبیت اور پیش ساختہ نظریات کے ماتحت صحافیوں اور قلم کاروں کی ایک قابل ذکر تعداد نے اپنے ایجنڈے کو آگے لے جانے کی غرض سے مدارس پر یہ الزام چسپاں کیا کہ وہ بالفعل دہشت گردی کا اڈہ ہیں' جہاں سے مذہبی تعصب کے شکار اسلامی جنگ باز پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے مدارس کے بارے میں قلم اٹھایا ہے ان میں سے بہتوں نے شاید بذات خود کبھی مدارس کے اندر قدم بھی نہیں رکھا ہوگا۔ اس کے باوجود ان لوگوں کی طرف سے جو ان صحافیوں کی مدارس سے متعلق ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنے کا مزاج بنا چکے تھے' انہیں اعلیٰ اتھارٹی قرار دے کر ان کے قد کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی۔

بنیادی طور پر مدارس سے متعلق ملک کے طول و عرض میں آج کل جو گرما گرم بحث و مباحثہ جاری ہے' اس کا سرا اصلاً اس لاعلمی اور ناواقفیت سے جا ملتا ہے جو مدارس سے متعلق شائع و ذائع ہے۔ مدارس سے متعلق مخاصمت کی موجودہ فضا کو ہندوستان میں تعلیم سے متعلق برتے جانے والے دو عملی کے رویے کے سیاق و سباق میں دیکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ماضی میں شمالی ہندوستان کے ایک بہت بڑے حصے میں ہندو اور مسلم دونوں فرقوں کے بچے مشترکہ طور پر گاؤں کے مکتب یا مدرسے کا رخ کرتے تھے۔ جہاں انہیں اقدار پر مبنی زبان اور سماجیات سے متعلق تعلیم دی جاتی

تھی۔ راجہ رام موہن رائے جنہیں ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کا بانی تصور کیا جاتا ہے ایک مدرسے کے ہی تعلیم یافتہ تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور آج کم ہی ہندو ایسے ہیں جو اس سے واقف ہیں یا انہیں اس کی پروا ہے۔ آج بمشکل ہی کوئی ہندو مدرسہ میں پڑھتا ہے بنابریں وہ اس بات سے ناواقف ہوتے ہیں کہ اہل مدارس ان مدرسوں میں کیا پڑھاتے ہیں اور ان کے بنیادی تعلیمی مقاصد کیا ہیں؟ یہی بات بہت سے متوسط طبقے کے مسلمانوں سے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے جو مدارس کے بجائے اپنے بچوں کو جدید اور عصری اسکولوں میں بھیجے جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

صحافیوں نے دینی مدارس کو تشدد پسندانہ نظریات رکھنے والی تحریکات کے ہم مثل ٹھہرانے اور اس بات کے اثبات میں ذرا بھی دیر نہ کی کہ انہی کی طرح یہ بھی دہشت گردانہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ حالانکہ یہ بات قطعی طور پر گمراہ کن ہے۔ جنوبی ایشیا میں صدیوں سے مدارس کا سلسلہ چلا آرہا ہے اور کم وبیش دو صدیوں سے عمومی سطح پر اسکے نصاب میں کوئی بنیادی فرق نہیں آیا۔ جو لوگ مدارس پر دہشتگردی کے اڈہ ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں وہ اس بات کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ مدارس کا نصاب اپنے عمومی مزاج کے اعتبار سے حقیقتاً جنگ وجدال سے اعراض اور اس سے دامن کشی کے نقطہ نظر پر مبنی ہے۔ اس طرح اس کا سیاست سے بھی کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ انکے تعلیمی نصاب کا اصل زور فقہ کی مبادیات مخصوص عبادات کے پیچیدہ احکامات لباس اور اسی طرح دیگر ضابطوں پر ہے جن میں صنفی فرق وامتیاز کو روا رکھا گیا ہے۔ اس طرح گویا یہ نصاب بہت زیادہ قدامت پسندانہ حرفیت پر مبنی اور قانونی ہے۔ لیکن سیاسی طور پر وہ ہرگز تشدد پسندی پر مبنی نہیں ہے۔ مدارس کے ناقدین ان کیساتھ رقابت رکھنے والے اسلام پسند حضرات وقتاً فوقتاً اہل مدارس پر یہ الزام دھرتے رہتے ہیں کہ وہ مسلم کمیونٹی کو کمزور کررہے ہیں اور دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اس کی دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ وہ سلگتے ہوئے سیاسی موضوعات سے اپنی نظریں موندے ہوئے ہیں اور (ان کے بقول) بال کی کھال نکالنے والے لاحاصل موضوعات جیسے داڑھی کے طول کی مقدار کیا ہونی چاہیے یا رفع حاجت کے بعد پاکی کا صحیح اسلامی طریقہ کیا ہے میں سر کھپاتے اور مغز ماری کرتے رہتے ہیں۔ ریڈیکل رجحان رکھنے والی اسلامی تحریکات جیسا کہ مختلف سروے اور میدانی مطالعوں سے ثابت ہوتا ہے روایتی مدارس میں بمشکل ہی کوئی جگہ بنا پاتی ہیں۔ اسکے بجائے اس کی جگہ کالج اور یونیورسٹیاں خاص طور پر انکے ہارڈ سائنس کے شعبے ہیں جیسے انجینئرنگ میڈیسن وغیرہ یہ وہ حقیقی مظہر ہے جسے صرف جنوبی ایشیاء میں ہی نہیں بلکہ عالم عرب اور مغربی دنیا میں بھی محسوس کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعے میں شامل عرب نوجوانوں میں سے جن پر اس واقعے کو وجود میں لانے کا الزام عائد کیا گیا ایک شخص بھی مدرسے کا تعلیم یافتہ نہیں تھا۔ خود اسامہ بن لادن کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ان لوگوں نے تقریباً تمام دوسری اسلامی شدت پسند جماعتوں کے قائدین کی طرح عصری جامعات میں تعلیم حاصل کی تھی بلکہ ان میں سے بہت سوں نے تو خود مغرب میں تعلیم پائی تھی۔

تشدد پسندانہ اسلامی نظریات رکھنے والے لوگ شدت کے ساتھ علما پر تنقید کرتے ہیں کہ وہ فکری جمود کے

شکار ہیں۔ انہیں اس دنیا اور اس کے امور سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ وہ مسلم ممالک میں اس حکمراں طبقے کے مفاد کے لئے کام کرتے ہیں جو انکار پسند مغرب کے غلام یا خادم ہیں۔ اور اسلام کا دم بھرنے کے باوجود محض نام کے مسلمان ہیں۔ متعدد مسلم ممالک میں اعلیٰ قابلیت وصلاحیت رکھنے والے علماء کو جنگ کے پروقار عہدوں پر فائز کیا جاتا ہے۔ بہت سے ممالک انتہا پسند اسلامی جماعتوں کے اثرات کو کم کرنے کیلئے علماء کی مدد حاصل کرتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ یہ علماء ان انتہا پسند جماعتوں کے خلاف فتوے صادر کرتے اور ان کی سرگرمیوں کو غیر اسلامی ٹھہراتے ہیں۔

یہ انتہا پسند جماعتیں فقہ وائمہؒ کی صدیوں سے چلی آرہی اس روایت کو، جو علماء کی اجتماعی قوت واثر کا سرچشمہ ہے، خاطر میں لانا نہیں چاہتے۔ اسکے بجائے وہ براہ راست قرآن وسنت سے استفادے کی دعویدار ہوتی ہیں۔ انکے بقول اسلام میں مذہبی اجارہ داری کا کوئی تصور نہیں ہے جیسا کہ علماء نے فی زمانہ اپنے آپ کو اس انداز میں ڈھال لیا ہے، قدیم فقہ پر عمل کے بجائے یہ حضرات سارا زور اجتہاد پر دیتے ہیں۔ حالانکہ بہ مشکل ہی کوئی ایسی مثال ہوگی کہ انہوں نے فقہ کو باضابطہ مربوط طور پر نئے انداز میں سمجھنے کی کوشش کی ہو۔ مزید براں یہ لوگ جدید ٹکنالوجی کے چیلنجز کو سنجیدہ طور پر لیتے ہیں۔ جبکہ علماء کو بالعموم اس سے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا۔ ان کی نظر میں اسلام کا مرکزی نقطہ سیاسی اقتدار کا حصول ہے، تاکہ اسلامی ریاست کے زیر سایہ، مسلمان اسلامی احکامات کے مطابق، پورے طور پر زندگی گزار سکیں، جبکہ مدارس کے علماء 'اسلامی فقہ' پر اصل زور دیتے ہیں، غیر اسلامی ریاست میں وہ اس وقت تک برسر مخالفت یا آمادہ پیکار ہونے کو صحیح نہیں سمجھتے جب تک انہیں وہاں اسلامی احکامات کی بجا آوری میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور ان کا پرسنل لا محفوظ ہو۔ دوسرے لفظوں میں انتہا پسندانہ نظریات رکھنے والی اسلام پسندی، مقابلے اور کشمکش کے رجحان کی حامل ہوتی ہے، جبکہ روایتی مدارس کی اسلام پسندی محافظت اور عملی ہم آہنگی کا مزاج رکھتی ہے، ہاں البتہ ان دونوں معاملوں میں کچھ استثناء ضرور ہوسکتا ہے کہ کچھ اسلام پسند بین مذہبی مذاکرات کے قائل ہیں اسی طرح بعض مدارس سے وابستہ علماء جیسا کہ پاکستان میں نظر آتا ہے، مسلح جہاد کے زبردست حامی ہیں تاہم مجموعی طور پر بلا تامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں کسی بھی مدرسے کی جنگ جوئیت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ جیسا کہ بار بار اس کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

ہندوستانی مدارس اور دہشت گردی کے تعلق سے جو بات مختلف حلقوں میں بحث کا موضوع ہے اسے سیاسی تاریخی پس منظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ کیونکہ اولاً یہ بات ہر شخص کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہندوستان میں جنگوئیت جس نے وسیع پیمانے پر تشدد اور دہشت گردی کی شکل اختیار کرلی ہے، وہ بہت حد تک ہندو جماعتوں کی ہی خصوصیت ہے نہ کہ مسلم جماعتوں۔ بہت سی غلبہ پسندی کی نفسیات رکھنے والی ہندو تنظیمیں کھلم کھلا مسلمانوں اور دوسری کمزور اقلیتوں کے خلاف لوگوں کو تشدد پر آمادہ کرتی رہی ہیں اور ریاستی ایجنسیوں سے مل کر مسلمانوں کے اجتماعی قتل وخون ریزی میں ملوث رہی ہیں، جن میں اب تک ہزاروں بے قصور لوگ ہلاک ہوچکے ہیں۔ ہندو تنظیموں کے تحت ملک کے طول وعرض میں ہزاروں اسکول قائم ہیں۔ جن کے لاکھوں طلباء کو مسلمانوں اور غیر مسلم فرقوں کے خلاف بغض ونفرت کی تعلیم دی جاتی

ہے۔ ''ہندو قوم'' کے رکھوالوں کے روپ میں وہ تمام نسبتوں پر وطن پرستی کے عملی تفوق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ اور ریاست کے حوالے سے ان کی تقریباً یہی شبیہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایسا دیکھنے میں بہت کم ہی آتا ہے کہ انہیں دہشت گرد جماعتوں کا نام دیا جاتا ہو۔ ہندوستان کے دینی مدارس کو جن کا دہشت گردی یا جنگ جوئیت کی کارروائیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے' دہشت گردی کا اڈہ تصور کیا جاتا ہے جبکہ ہندو جماعتوں کی نگرانی و سرپرستی میں چلنے والے اسکول اور تنظیموں کو بالعموم پرفخر طور پر قوم پرست تصور کیا جاتا ہے اور اس شکل میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ ملک کی عزت و وقار کا دفاع کرنے والی ہیں جنہیں داخلی اور خارجی دونوں سطح کے دشمنوں سے زبردست اور مستقل خطرہ ہے۔

آج کل ملک کے اندر اعلیٰ حکومتی اہل کار' ہندو کے شعلہ بار لیڈر اور میڈیا کا ایک بہت بڑا حلقہ اس بات کی دعوے داری کرتے نہیں تھکتا کہ دینی مدارس دہشتگردوں کو تربیت دے کر ہندوستان کو کمزور کرنے کیلئے پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کیساتھ ملک کر سازشوں میں مشغول ہیں۔ حالانکہ اس بات کا اب تک کوئی بھی واضح ثبوت پیش نہیں کیا جاسکا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ مدارس کے تئیں حکومت کی بڑھتی ہوئی مخاصمت آنے والے دنوں میں مدارس کیلئے بہت سے مسائل و مشکلات پیدا کرے گی' یہ جاننے کیلئے کہ حکومت کا مدارس سے کیا رشتہ رہا ہے' ہمیں پورے معاملے پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالنی ہوگی۔

پہلی بات تو یہ محسوس ہوتی ہے کہ حکومت نے اب تک مدارس میں دی جانے والی تعلیم کے تعلق سے کوئی باضابطہ اور واضح حکمت عملی طے کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ آج حکومت مدارس کو ایک بڑے چیلنج اور خطرے کی شکل میں دیکھتی ہے۔ جبکہ اس سے قبل حکومت کی طرف سے ہی بعض چنیدہ مدارس کو اپنے مقاصد کے لئے تیار و ہموار کرنے کی سعی کی جاتی رہی ہے۔ ''آئین ہند'' نے ملک کی تمام مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو اپنے پسند کے تعلیمی اداروں کے قیام کی اجازت دی ہے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ قانوناً انہیں مدارس و مکاتب کو وجود میں لانے اور چلانے کی مکمل آزادی ہے' حکومت کی طرف سے بعض بڑے اور اہم مدارس کو' خاص طور پر دیوبند کو' بقول مشیر الحسن' ہندوستان میں سیکولرزم کے دعوے کیلئے ''شوکیس'' بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ (The Madrasas in India, Dailytiems, 22/May/2003) خارجہ پالیسی کے مفاد کے تحت نیز مشرق وسطی کے ممالک کو یہ بات باور کرانے کیلئے ہندوستان میں مسلمان محفوظ اور خوشحال ہیں' حکومت نے مدارس کو اپنے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی اس کا مقصد اس کے برعکس پاکستان کے اس دعوے اور پروپیگنڈہ کا ابطال تھا کہ ہندوستان میں مسلمان پسماندہ اور غیر محفوظ ہیں' چنانچہ ۱۹۴۹ء میں وزارت داخلہ اور آل انڈیا ریڈیو کے اہل کاروں نے دیوبند کا دورہ کیا اور اپنے غیر ملکی نشریے کیلئے دارالعلوم دیوبند پر ایک پروگرام تیار کیا جس میں دل کھول کر دارالعلوم دیوبند کی حصولیابیوں کی تعریف و ستائش کی گئی۔ History of Darul Uloom Deoband (Vol.1) P.25 1980 از سید محبوب رضوی۔

کئی ایک ریاستی حکومتوں نے اپنے یہاں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ قائم کیا جس نے مدارس کو اگرچہ ایسے مدارس

کی تعداد قلیل ہے مالی مدد بہم پہنچائی۔ بڑے مدارس جیسا دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء وغیرہ کو سرکاری طور پر اپنے یہاں غیر ملکی طلباء کو داخلہ دینے کی اجازت دی گئی اور اس طرح بہت سے غیر ملکی طلباء کو حکومت کی طرف سے تعلیمی ویزے دیئے گئے۔ دارالعلوم دیوبند آج کل خاص طور پر حکومت کی نگاہ میں ہے جب کہ طالبان کے ساتھ مبینہ وابستگی کی بناء پر بعض حلقے پہلے ہی اسے ہدف تنقید بناتے رہے ہیں، یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ اس ادارے کو ملک و بیرون ملک میں مسلمانوں کے درمیان کتنا اہم مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مثال کے طور پر ۱۹۵۷ء میں اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرساد نے اس ادارے کا دورہ کیا تھا اور اس کی قدر شناسی کے علامتی اظہار کے طور پر ایک ہزار روپے کی پیش کش کی تھی۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند از سید محبوب رضوی صفحہ: ۳۱) دارالعلوم دیوبند کے طلباء واساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے آزادی وطن کی جدوجہد کے تعلق سے اس کی عظیم خدمات کی تعریف وستائش کی تھی اور اپنی اس امید کا اظہار کیا تھا کہ مستقبل میں بھی یہ ادارہ اپنی اس روایت کو برقرار رکھے گا اور اپنے دائرہ کار کو بڑھائے گا۔ اس موقع پر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے مزے لے کر تحریک آزادی میں دیوبند سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے ساتھ اپنی شرکت کار کی تفصیل سامعین کے گوش گزار کی تھی۔ (صدر جمہوریہ ہند دارالعلوم دیوبند میں: تاریخ دارالعلوم دیوبند ۲۴۔۲۵) انہوں نے آگے بڑھ کر یہاں تک کہا تھا کہ اس ادارے میں مختلف بیرونی ممالک سے طلباء تعلیم کے لئے آتے ہیں۔ یہ بات تمام ہندوستانیوں کیلئے فخر وعزت کی بات ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر کا اختتام اس دعا پر کیا تھا کہ یہ ادارہ پھلے پھولے اور ترقی کرے تاکہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک کو بھی اپنی خدمات سے بہرہ اندوز کر سکے" (ایضاً ص: ۲۷)

کانگریس پارٹی کے قائدین نے دیوبند کے ساتھ ہمیشہ اچھا تعلق رکھا۔ کیونکہ وہ دارالعلوم دیوبند کی قدر و وقعت اور مسلم رائے دہندگان کے ایک بہت بڑے طبقے کے درمیان اس کے علماء کے اثرات سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء میں اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے دارالعلوم کے جشن صد سالہ میں شرکت کیلئے دیوبند کا دورہ کیا تھا۔ اندرا گاندھی نے اپنی تقریر میں تحریک آزادی میں دارالعلوم دیوبند کی مساعی کی ستائش کی تھی اور اپنی اس امید کا اظہار کیا تھا کہ یہ ادارہ اپنے بزرگ اور اسلاف کی اس روایت کو برقرار رکھے گا۔ (دارالعلوم دیوبند ایک مکتب فکر ایک تحریک: حبیب الرحمٰن قاسمی ص۔ ۳۱) شاید مسلم ووٹ کو نظر میں رکھتے ہوئے انہوں نے علماء دیوبند، ان کی علمی حیثیت، وطن کے تئیں ان کی محبت اور ہندوستان کے تکثیری معاشرہ کیلئے ان کی خدمات کی مدح سرائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اسی سال حکومت نے دارالعلوم کے اعزاز میں ۳۰ پیسے کا ایک ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا تھا، گزشتہ سالوں کے دوران جن اہم غیر مسلم شخصیات نے دارالعلوم کا دورہ کیا اور اس کے کام کی تعریف کی، ان میں چند نام یہ ہیں:

(۱) جگدیش سہائے، جج الہ آباد ہائیکورٹ (۱۹۶۳) (۲) اجیت پرساد جین، گورنر کیرالا (۱۹۶۵) (۳) گوپال ریڈی، گورنر اتر پردیش (۱۹۶۹) (۴) واسو دیو سنگھ، اسپیکر یوپی قانون ساز اسمبلی (۱۹۷۶) (۵) رام نریش، نائب

وزیراعلیٰ اتر پردیش (۱۹۷۹) (۶) ویر بہادر سنگھ وزیراعلیٰ اتر پردیش (۱۹۵۸) (ایضاً: ص:۳۰-۳۹) دیوبند کے علماء نے ادارے کے ساتھ اس لگاؤ اور اسے مرکز توجہ بنائے جانے کے اس عمل کا دل سے خیر مقدم کیا۔ کیونکہ اسکے ذریعہ انہیں بھی مسلم حلقوں میں عزت ووقار حاصل ہوا۔ اسکے ذریعہ انہیں یہ موقع بھی ملا کہ وہ مادر وطن کے تئیں اپنی محبت کا ثبوت پیش کرسکیں اور تحریک آزادی کے تعلق سے اپنے اسلاف کی خدمات کو اجاگر کرسکیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستانی مدارس نے ہندو حکمرانی کے حالات سے تقریباً عملی سمجھوتہ سا کرلیا ہے۔ اکثر مدارس حکومت وسیاست سے دامن کش ہیں اور عام طور پر امن پسند اسلام کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اگرچہ مدارس سے وابستہ بہت سے علماء اس بات میں یقین رکھتے آئے ہیں کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہمہ گیر ضابطوں کو عمل میں لانے کا مکلف کیا ہے جو بشمول سیاست شخصی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ تاہم بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ وہ محدود انداز میں مسلم پرسنل لا کی حد تک اسلامی قوانین کے نافذ العمل ہونے پر قانع ہیں جیسا کہ اقلیت ہونے کی حیثیت میں آئین کی رو سے انہیں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ اس طرح مسلم پرسنل لاء اس شکل میں سامنے آتا ہے کہ اس سے ہندوستان کے اندر علیحدہ مسلم شناخت کی واضح تعین ہوتی ہے۔

اکثر مدارس کے نصاب میں بھی اس بات کی عکاسی ملتی ہے۔ ایسے مدارس فقہ کے انہی مسائل پر زور دیتے ہیں، جن کا تعلق عبادات یا شخصی مذہبی معاملات سے ہے۔ البتہ چند ایک مدرسوں میں عہد وسطی میں لکھی گئی کتب فقہ کے بعض سیاسی امور سے تعلق رکھنے والے ابواب ضرور پڑھائے جاتے ہیں اور انہیں غیر ضروری یا بے مطلب کی چیز بھی تصور نہیں کیا جاتا اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے کہ اگرچہ امور سیاست اور قانون عامہ سے تعلق رکھنے والے فقہی (شرعی) احکام اسلام کا اٹوٹ جز ہیں۔ تاہم جب تک مسلمان ہندوستان میں اقلیت میں ہیں، یہ بات بے عقلی کی ہوگی کہ یہاں کسی ایسی اسلامی ریاست کی بات کی جائے جس میں مکمل طور پر قانون شریعت پر عمل داری ہوتی ہو، دینی مدارس ریاست کو اسلامیانے یا اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی بجائے خاص طور پر ہندوستان میں مسلم مذہبی تشخص کے بقاء و تحفظ کے لئے فکر مند و کوشاں ہیں۔ انہیں ہندو کرن کی تحریک سے خطرہ ہے جسے موجودہ حکومت شہ دے رہی ہے اور جو ہندو اساطیر سے ماخوذ واحد طرز کی ہندوستانی قومیت (ہندو قومیت) کے نام پر ملک میں چلائی جارہی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کے مختلف حصوں میں بڑی تعداد میں مدارس کے قیام کی وجہ بھی یہی ہے۔ یہ تمام مدارس آخری حد تک سیاست سے دور اسلام کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کا سارا زور مسلم بچوں کو اسلامی عقائد اور مذہبی رسوم کی تعلیم پر ہوتا ہے۔ ہندوستان کے تمام ہی دینی مدارس اسی نہج پر چل رہے ہیں۔ انکے نصاب تعلیم میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ اسلئے یہ کہنا کہ وہ اب دہشتگردی کے اڈے بن چکے ہیں، سراسر ایک بے بنیاد اور غلط الزام ہے۔ (ترجمان دارالعلوم فروری ۲۰۰۴)

مفتی ذاکر حسن نعمانی
شریعہ ایڈوائزر بینک آف خیبر (اسلامک بینکنگ)

سود کی حقیقت‘ علت‘ حرمت اور حکمت

سودی بینکوں کا سب سے اہم کام رقومات (مختلف ممالک کی مختلف مالیت کی کرنسیاں) کا سودی لین دین ہے دیگر معاملات میں بھی خلاف شرع کاموں سے اجتناب کا تصور ہے نہ بچنے کی کوشش کرتے ہیں ہاں اگر اتفاقاً کوئی معاملہ خلاف شرع نہ ہو تو وہ الگ بات ہے۔

کرنسی: کرنسی بذات خود مقصود نہیں بلکہ آلہ تبادلہ ہے اس کے ذریعے اشیاء وخدمات کا لین دین ہوتا ہے کرنسی گردش میں ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں اشیاء وخدمات پیدا اور استعمال ہوتی رہتی ہیں۔

سود اور ضابطہ سود　سود صرف ذوات الامثال میں بنتا ہے قرض کا لین دین بھی صرف ذوات الامثال یعنی مثلی اشیاء میں ہوتا ہے

مثلی اشیاء: وہ اشیاء جو ایک دوسرے کے ساتھ سائز‘ رنگ‘ جسامت‘ شکل اور مالیت میں تقریباً برابر ہوں۔

مثلی کرنسی کی مثال: ہر ملک کی کرنسی کی بنیادی اکائی‘ روپیہ روپیہ‘ ڈالر ڈالر‘ درہم درہم‘ پاؤنڈ پاؤنڈ‘ ریال ریال‘ دینار دینار‘ فرانک فرانک‘ ین ین وغیرہ۔

مثلی اشیاء کی مثال: گندم گندم‘ جو جو‘ کھجور کھجور‘ سونا سونا‘ چاندی چاندی‘ نمک نمک

مذکورہ اشیاء وکرنسی میں لین دین کے وقت کمی بیشی سے سود بنتا ہے ان میں لین دین کے وقت مساوات ضروری ہے۔

مثلی اشیاء کی پہچان کا طریقہ: کوئی کسی کی کوئی چیز ضائع کر دے تو ضمان اور تاوان میں اگر وہی چیز دیتا ہے تو مثلی ہے مثلاً ایک سیر گندم ضائع کی تو ضمان میں اس کے بدلہ ایک سیر گندم ادا کرتا ہے اگر اس کی قیمت ادا کرتا ہے تو پھر مثلی نہیں بلکہ قیمتی ہے مثلاً کسی کی مرغ ماردی تو اب تاوان میں مرغ دے گا۔

سود کی تعریف: مثلی اشیاء کے نقد یا ادھار لین دین میں بلاعوض کمی بیشی یہ تعریف کرنسی اور دیگر مثلی اشیاء پر صادق آتی ہے۔

ربا النسیئہ: کرنسی کے نقد یا ادھار لین دین میں بلاعوض کی بیشی۔ اس کی حرمت قرآن مجید سے ثابت ہے یہ لین دین خواہ تجارت کی بنیاد پر ہوتا ہو یا حاجت اور ضرورت کی بنیاد پر۔

ربا الفضل: مثلی اشیاء میں لین دین کے وقت بلاعوض کی بیشی۔ مثلاً اشیاء ستہ سونا اور چاندی‘ گیہوں‘ جو‘ کھجور‘ نمک۔ انکی حرمت احادیث سے ثابت ہے مذکورہ اشیاء کے علاوہ دیگر اشیاء میں بھی سود بنتا ہے جن میں مخصوص

اور مذکورہ اشیاء کی علت (Cause) پائے جائے۔

سود کی علت: جنس اور قدر سود کی علت ہے جنس کا مطلب ہے کہ تمام بنیادی اکائیاں رنگ جسامت' شکل' مالیت اور فائدہ میں ایک جیسی ہوں۔ قدر کا مطلب ہے مقدار میں برابر ہوں یہ برابری کبھی وزن کے ساتھ ہوتی ہے کبھی گنتی کے ساتھ۔ کبھی کسی پیمانہ کے ساتھ دونوں کا حاصل ہے تماثل یعنی ایک جیسے ہونا جن دو چیزوں کے تبادلہ کے وقت یہ دونوں علتیں پائی جائیں تو کمی بیشی سود ہوگی۔

چونکہ بینکوں میں عموماً رقومات (کرنسیوں) کا لین دین کمی بیشی کے ساتھ ہوتا ہے اور رقومات میں سود کی علت بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے کہ تمام کرنسیوں کی بنیادی اکائیاں سو فیصد ایک دوسرے کی مساوی ہیں کرنسی کی ہر بنیادی اکائی اور فرد کی قوت خرید برابر ہے لہٰذا ان میں قدر اور جنس کی تلاش کی ضرورت نہیں جنس اور قدر کی تلاش ان میں تماثل (صورتاً اور معنیً ایک جیسا ہونا) معلوم کرنے کیلئے ہوتی ہے اور یہ تماثل ان میں اعلیٰ پیمانے پر موجود ہے۔ مثلی کی تعریف الاشباہ انظائر للسیطوطی میں موجود ہے۔ مالا یختلف اجزاء النوع الواحد منہ بالقیمہ یعنی جن میں ایک ہی نوع کے مختلف اجزاء میں قیمت کے اعتبار سے تفاوت نہ ہو (۲۱۹۔۲ج) مثلی کی یہ تعریف ہر ملک کی کرنسی پر صادق آتی ہے ہر ملک کی کرنسی ایک نوع ہے اور اس کی ہر بنیادی اکائی اس کے اجزاء اور افراد ہیں۔

سود کیوں حرام ہے: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے حکم تو بس حکم ہوتا ہے اس میں اگر' مگر' لیکن' کیوں' کیسے کی گنجائش نہیں ہوتی قرآن کریم وحدیث میں بڑی سخت وعیدات مذکور ہیں۔

حرمت سود کی حکمت: مثلی اشیاء کے نقد اور مساوی لین دین میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ کسی کی ضرورت اس طرح پوری نہیں ہوتی مثلاً ا نے ب کو ایک من گندم دی۔ ب نے ا کو ایک من گندم دی دونوں کا تبادلہ بے فائدہ ہے یا ا نے ب کو سو روپیہ دیا ب نے الف کو سو روپیہ دیا تو کسی کو فائدہ نہیں ملا۔

فائدہ کی صورت: الف کے ساتھ ہزار کا نوٹ ہے اس کو کھلے چاہئیں ب نے سو سو کے دس نوٹ دے دیئے تو سود بھی نہیں اور الف کو فائدہ بھی ہوا یا الف کو ہزار روپیہ قرض چاہیے ب نے دے دیا کچھ عرصہ بعد ایک ہزار روپیہ واپس لیا ب نے احسان کیا الف کو فائدہ ملا۔ یا الف کو ایک من گندم کی ضرورت تھی ب نے دے دی کچھ عرصہ بعد الف سے ایک من گندم واپس لی ب نے احسان کیا الف کو فائدہ ہوا۔

اختلاف جنس: اختلاف جنس کے وقت تبادلہ میں کمی بیشی جائز بھی ہے اور فائدہ بھی ہے الف کے پاس مرغی ہے اور با کے پاس سو روپیہ دونوں کی رغبت اور حاجت ان اشیاء کی طرف کم اور زیادہ ہونے کیساتھ ساتھ جدا جدا بھی ہے۔ اسلئے اس صورت میں تبادلے کے وقت کمی بیشی کیلئے خوشی کیساتھ تیار ہوں گے۔ الف کا مہمان آیا اس کے پاس رقم ہے لیکن مہمان کو کھلانے کیلئے مرغی نہیں ب کے پاس مرغی ہے مرغی کی عام قیمت سو روپیہ ہے لیکن اس شدید حاجت کے وقت ب اس کو پانچ سو روپیہ میں خریدنے کیلئے تیار ہے اسی طرح الف کے پاس مرغی ہے لیکن ب کو

پچاس روپیہ کی اشد ضرورت ہے تو سو روپیہ کی مرغی پچاس روپیہ میں خوشی کیساتھ فروخت کرتا ہے۔ دونوں یہ معاملہ اتنا مہنگا یا سستا اس لئے کرتے ہیں کہ دونوں طرف سے حاجت اور رغبت جدا جدا ہے اور حاجت و رغبت اسلئے جدا ہے کہ تبادلہ والی اشیاء کی جنس مختلف ہے اختلاف جنس کے اس کم بیش یا مہنگے اور سستے تبادلہ میں دونوں کا فائدہ بھی ہوا اور حاجتیں بھی پوری ہوں گئیں۔

<u>صلاحیتوں کا عدم استعمال:</u> سودی عقد میں کسی قسم کے ذہنی یا جسمانی صلاحیت استعمال نہیں ہوتی۔ سود پر رقم دینے والا ہمیشہ زیادہ دولت اور فائدہ حاصل کرتا ہے اگر چہ بچہ، پاگل اور ان پڑھ ہو سود دینے والا نقصان برداشت کرتا ہے اگر چہ دنیا کا سب سے زیادہ با صلاحیت، تجربہ کار ماہر معیشت ہو۔

<u>سود کی حرمت کی وجہ:</u> اگر آپ کسی عام سمجھ بوجھ والے آدمی سے پوچھیں کہ حرص، جہل، ضرر، دھوکہ، جھوٹ کنجوسی اور ظلم کے بارے میں کیا خیال ہے تو وہ فوراً کہے گا کہ یہ سب گندے، برے اور ناجائز اوصاف ہیں اسی طرح ایک سودی معیشت کے حامی ماہر معیشت سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھیں تو وہ بھی ان کو برا اور ناجائز کہے گا قطع لحاظ اس سے کہ یہ ماہر معیشت مسلمان ہے یا کافر اب ذرا غور سے کام لیا جائے تو معمولی سمجھ بوجھ والا آدمی بھی معلوم کر سکتا ہے کہ سودی عقد کی تہہ میں یہ سب برے اور ناجائز اوصاف موجود ہیں اب سوچنا چاہیے کہ سودی عقد کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اور سود کے حامی سودی معاملات کو کیوں اور کیسے جائز کہتے ہیں۔

<u>لوگوں کی ذہنیت:</u> چونکہ سیاست اور معیشت پر یورپ اور امریکہ کا قبضہ ہے ماہرین معیشت ان کے پاس زیادہ ہیں موضوع سے متعلق لکھی گئی کتابیں تقریباً ان کی ہیں کافی عرصہ سے معاشی زندگی انہی کے بتائے ہوئے معاشی اصولوں کے مطابق گزر رہی ہے۔ اکثر لوگوں کے دل و دماغ میں سودی معیشت کی محبت و رغبت کچھ ایسے رچ بس گئی ہے جیسے بنی اسرائیل کے دلوں میں بچھڑے کی محبت و عبادت نے جگہ پکڑ لی تھی سود کے حامی لوگوں پر قرآن و حدیث کی وعیدات کا اثر ہوتا ہے نہ کسی مسلمان ماہر معیشت عالم کی بات ان کے دلوں کو لگتی ہے۔ ان لوگوں کے سامنے سود کے جتنے بھی عقلی، اخلاقی اور اقتصادی نقصانات یہاں کئے جائیں سر تسلیم خم نہیں کرتے کیونکہ ان کو یورپ اور امریکہ کی طرف سے ابھی سود کے عدم جواز کا سگنل نہیں ملا اور اگر لارڈ کینز کی ایک بات دہرائی جائے کہ سود کا ریٹ کم کر دیا سود کو ختم کر دو ورنہ معیشت تباہ ہو جائے گی تو اب اس کی بات کو تجربہ، فن اور عقل کے ترازو نہیں تولتے بلکہ آنکھ بند کر کے اندھی تقلید کرتے ہوئے کینز کی بات مان لے گی کہ واقعی صحیح اور سچ کہہ رہا ہے یہ ہے ہمارے ایمان اور یقین کی حالت اس لئے میں کہتا ہوں کہ خدا کرے کہ سود کی حرمت اور اس کے نقصانات کے تمام فیصلے یورپ اور امریکہ میں ہو جائیں تو ساری دنیا اس کو قبول کر لے گی۔

حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق اور ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا دورۂ ایران

امام مسلم کے دیس خراسان (ایران) میں چند روز

(قسط نمبر ۶)

گلف ایئر لائن کا غیر ذمہ دارانہ رویہ:

مسجد گوہر شاد اور مرقد امام رضا کی زیارت کے بعد میں نے اپنے میزبان کو بتایا کہ ہمیں مشہد نکلنے سے قبل اپنے ٹکٹوں کی ری کنفرمیشن کروانی ہے تاکہ عین وقت پر گلف ایئر لائن والوں کی بدنظمی کا خمیازہ بھگتنا نہ پڑے۔ اس مقصد کے لئے ہم یہاں سے نکل کر ایک ٹریول ایجنٹ کے پاس گئے جس نے گلف ائیر لائن کے دفتر سے فون کے ذریعے اس کی ری کنفرمیشن کروانی چاہی لیکن فون پر مسئلہ حل نہ ہوسکا۔ سو مجبوراً ہمیں گلف ائیر لائن کے آفس جانا پڑا جو شہر کے وسط میں مین دورو معروف شاہراہ پر واقع تھا۔ آفس کے سامان اور ظاہری سجاوٹ سے اندازہ ہوا کہ یہ دفتر یہاں نیا نیا کھلا ہے۔ اس دفتر کا سارا کام مشہد کے دو مقامی ایرانی لڑکیوں نے سنبھال رکھا تھا۔ میں نے اپنی ٹکٹیں ایک لڑکی کو دیئے وہ شاید کمپیوٹر سے زیادہ واقف نہ تھی اس لئے کہ وہ بار بار کمپیوٹر پر آنے والی انفارمیشن اپنی دوسری کولیگ سے ڈسکس کر رہی تھی۔ تقریباً پون گھنٹہ آفس میں نکل جانے کے باوجود گلف ایئر لائن کی غیر ذمہ دارانہ رویہ، بدنظمی اور بے حسی کی وجہ سے مسئلہ جوں کا توں رہا۔ جب سے گلف ایئر لائن کے مالک (جو ابوظہبی کا امیر تھا) نے اپنے شیئرز اس ایئر لائن سے نکالے اور زیادہ تر حصص بحرین کے رہ گئے تب سے اس میں بدنظمی اور غیر ذمہ داری کی حد نہ رہی۔ میں نے واپس آکر ساری صورتحال سے شیخین کو آگاہ کیا انہوں نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ پاکستان کی کنفرمیشن پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے۔ ایک بجے کے قریب ہم یہاں سے تائیباد کے سفر پر روانہ ہوئے۔ مشہد سے نکل کر اب ہم ایک ویران صحرائی سڑک پر روانہ تھے۔

لطیفہ: دوران سفر میں نے اپنے میزبان سے پوچھنا چاہا کہ یہ کون سا سڑک ہے فارسی میں سڑک کو جادہ کہتے ہیں۔ میرے منہ سے بجائے جادہ کے سجادہ نکلا۔ سجادہ جائے نماز کو کہتے ہیں ۔ ہمارے میزبان سمجھے کہ یہ سجادہ کا معنی پوچھنا چاہتا ہے تو اس نے کہا کہ جائے نماز کو کہتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ نہیں میں جادہ کہنا چاہتا تھا نہ کہ سجادہ۔ اس پر

سب ساتھی بے اختیار ہنسے۔ حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو وہ بات ہوئی

چہ خوش گفت است سعدی درز لیخا الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولھا

صحرائی علاقوں سے حج کی یاد:

دوران سفر راستے میں صحرائی اور خشک پہاڑی سلسلوں کو دیکھ کر مولانا سمیع الحق صاحب نے کہا کہ ان مناظر کو دیکھ کر انسان کو حج کا سفر یاد آجاتا ہے۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے اسی طرح کے چٹیل پہاڑی اور صحرائی سلسلوں سے گزر ہوتا ہے۔ حجاج اور معتمرین لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد و النعمة لک و الملک لاشریک لک کا ورد ترنم اور سرور کے ساتھ کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔ بعض حجاج اللہ اکبر کبیرا، سبحان اللہ بکرة و اصیلا و الحمدللہ کثیرا، کا ورد کرتے ہیں۔ عجیب عشق و جنوں، مستی اور جذبے کا عالم ہوتا ہے۔ مولانا صاحب نے مزید کہا کہ جب انسان پہلی دفعہ حرمین جاتا ہے تو عجیب قسم کی دلی کیفیات اور جذبات ہوتے ہیں۔ ہم جب پہلی دفعہ ۱۹۶۳ء میں گئے تو بڑے کٹھن اور سخت مراحل و مشکلات سے گزر کر پہنچے۔ تاہم وہاں پہنچ کر وہ سب تکالیف بھول گئے۔

مولانا شیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ یقیناً انسان کا تمنائے دل جب بھر آئے تو اس کے حصول میں پیش آنے والے مشکلات ہیچ نظر آتے ہیں۔

راستے میں بعض بستیوں میں لہلہاتے کھیتوں سے بھی گزر رہا۔ کہیں کہیں گندم کی فصل پک چکی تھی تاہم کمزور ہونے سبب اس کی کٹائی نہیں کی گئی تھی۔ مولانا شیر علی شاہ صاحب نے کہا کہ شاید بارش نہیں ہوئی اس لئے فصل کمزور ہے۔ یا ممکن ہے کہ اس زمین میں قوت نمونہ ہو۔ میں نے اس پر سعدی کا یہ شعر کہا

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

شیخ صاحب نے اس پر یہ شعر کہا

نقصان ز قابل است وگرنہ علی الدوام فیض سعادتش ہمہ کس را برابر است

اب اشعار کا دور اور شیخین کا مقابلہ دوبارہ شروع ہوا' دونوں طرف سے اشعار کہے جانے لگے۔ چند ایک اشعار یہ ہیں۔

طلع البدر علینا من ثنيات الوداع

وجب الشكر علينا ما دعا لله داع

ايها المبعوث فينا جئت بالأ مر المطاع

واحسن منک لم ترقط عینی واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأ من كل عيب كانک قد خلقت كما تشاء

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہٗ اس میں بجائے عیـنی کے عیـن ً فرماتے اور کہتے کہ اس میں کمال مدح ہے کہ کسی بھی آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔

چلم گوید من دودے جہانم — چلم کش را بدوزخ مے رسانم
قلم گوید من شاہے جہانم — قلم کش را بجنت مے رسانم
سعدیا روز ازل حسن بہ ترکاں دادند — ادب و ناز کرشمہ ھمہ بمردم ہند
خوئے بدکج روی و جہل بہ افغان دادن

اغرک مني ان حبک قاتلي — وانک مهما تأمري القلب يفعل
وان تک قدساء تک مني خليفة — فسلي ثيابي عن ثيابک تنسل

بیا جاناں جاں منور کن ز رویت مجلس مارا — کہ دست افشاں غزال خوانیم و پا کوباں سر[illegible] ازیم
ہزار سال پس از مرگ او گرش بوئی — ز خاک سعدی شیراز بوئے عشق آید

دوران سفر مولانا شیر علی شاہ صاحب نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں اپنے داخلے اور تعلیمی حالات پر مبنی تفصیلی داستان سنائی۔ جو شیخ صاحب کی حیات کا اہم باب ہے وہ بھی نظر قارئین ہے۔

حقانیہ سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے داخلے کیلئے ناموں کی تجویز:

شیخ صاحب نے بات یوں شروع کی کہ میں معمولاً شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے نام آئے ہوئے مکاتیب کے جوابات تحریر کرتا تھا۔ میرے اس سفر مدینہ طیبہ کا ذریعہ لاہور کے حکیم آفتاب احمد قرشی مرحوم بنے تھے، جو شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے فرزند تھے۔ اور مولانا سمیع الحق سے ان کا بڑا تعلق تھا۔ انہوں نے مولانا سمیع الحق کو پیشکش کی کہ آپ مجھے اپنے ادارے سے دو مستعد افراد کے نام دے دیں جنہیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بھیجا جائے۔ میں ایک عرصہ سے مدینہ جانے اور وہاں کسی طرح اقامت کا درد دل میں لئے تھا۔ اس سے قبل میں خشکی اور بحری راہوں کی خاک چھانتے ہوئے اردن کے شہر عقبہ، ایلہ وغیرہ سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کی زیارت کر چکا تھا۔ مگر وہاں داخلہ اور قیام کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مولانا سمیع الحق کو یہ آفر ہوئی تو ایک دن مولانا سمیع الحق نے مجھے بتایا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ والوں نے معلمین کے دو ماہا شارٹ کورس کے لئے دو مدرسین کے نام حقانیہ سے طلب کئے ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میرا نام بھی اس میں بھیجا جائے۔ کچھ دنوں بعد رمضان ۱۹۷۲ء کی بات ہے کہ میں دفتر اہتمام آیا تو حضرت شیخ الحدیثؒ، ناظم صاحب مولانا سلطان محمودؒ کے ساتھ ڈاک ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف فرما تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت نے جامعہ اسلامیہ سے آئے ہوئے خط کو ایک سائیڈ پر رکھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ حضرتؒ چاہتے ہیں کہ میری نظروں میں نہ آئے۔ حضرت ایک تو طویل تدریسی زندگی کے بعد اس عمر میں میری طالب

علمی کو دیگر اہم خدمات کے مقابلے میں مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اور دوسرا وہ نہیں چاہتے تھے کہ دارالعلوم حقانیہ کے کسی بھی کام میں خلاء آجائے۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ نے چاہا تو مدینہ منورہ حج اور زیارات کے مواقع ملتے رہیں گے۔ شاید مولانا سمیع الحق نے میری بات حضرت شیخ الحدیثؒ کو پہنچائی تھی میں حاضر ہوا تو مختلف مکاتیب کے جوابات تحریر کئے۔ درآخر میں نے خود حضرت سے عرض کیا کہ جی وہ جامعہ اسلامیہ والوں کو بھی کوئی جواب دینا ہوگا اس پر انہوں نے ناظم صاحب کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ ہاں وہ خط نکالو وہ خط جب میں نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ خط ہمیں بیس دنوں میں لاہور سے جامعہ اسلامیہ کے مستشار ثقافی کے دفتر سے پہنچا۔ ان دنوں پنجاب میں سیلاب آئے تھے شاید اسی وجہ سے وہ خط لیٹ پہنچا۔ میں نے خط پڑھ کر عرض کیا کہ جی اس کے لئے تو میں اور مولانا انوار الحق صاحب موزوں رہیں گے۔ اس پر مولانا صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا کہ ہاں تم تو ہر جگہ کے لئے تیار بیٹھے ہو۔ اور فرمایا ادھر مولانا مفتی فرید صاحب بھی حج کے لئے گئے ہیں اور تم بھی جاؤ تو طلباء کو چھٹی دے دو۔ میں نے ڈرتے ہوئے عرض کیا کہ جی دو مہینے ہی کی تو بات ہے اس بہانے ہم دونوں حج اور عمرہ ادا کرلیں گے۔ مولانا صاحب کچھ توقف کے بعد مان گئے۔ اور کہا کہ خط کا جواب لکھو۔ میں نے حضرت سے کہا کہ جی یہ خط کافی لیٹ ہو چکا ہے۔ جواب کے بجائے فون پر بات کرنی چاہئے۔ مولانا صاحب نے اس بات کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے فون ملا کر بات کرو۔ اس زمانے میں ڈائریکٹ ڈائلنگ کی سہولت نہ تھی۔ ایکسچینج کے توسط سے نمبر ملائے جاتے تھے۔ میں نے اکوڑہ ایکسچینج ملاتے ہوئے لائن مین امیر علی قریشی مرحوم سے کہا کہ لاہور کا یہ نمبر ملایئے تو اس نے ادھر سے جواب دیتے ہوئے کہا باجی آپ کو پتہ نہیں کہ سیلاب آئے ہیں لائنیں خراب ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ قریشی صاحب مدینہ منورہ کا کام ہے اگر ہو گیا تو تمہارے لئے وہاں جا کر دعا کریں گے۔ اس پر لائن مین نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے تو کراچی کے لائن سے آپ کو ملا دیتا ہوں۔ اس طرح ٹیلی فون مل گیا میں نے بجائے اردو کے عربی میں مدیر مکتب کے بارے میں کہا کہ ابغی الشیخ خالد الحمدان، تو وہاں متعلقہ شخص نے مدیر مکتب کو فون تھمایا۔ جب اسے پتہ چلا کہ جامعہ حقانیہ کا مدیر بول رہا ہے تو اس نے بڑی توجہ اور محبت کے ساتھ سلام اور دعا کی۔ پھر اس نے خود ہی کہا کہ ابھی تک آپ کی طرف سے دو نام نہیں آئے۔ انہیں ٹیلی فون پر ہمارے نام دیئے گئے دفتر والوں نے کہا کہ ان کو کل یا پرسوں تک بمع اٹسٹڈ اسناد کے لاہور بھیج دیں۔ ٹیلی فون پر بات کرنے کے بعد میں نے اپنے اور مولانا انوار الحق کے اسناد اٹھائے اور نوشہرہ میں اودھ کمشنر سے اٹیسٹ کروائے۔ واپس آ کر مولانا انوار الحق سے کل لاہور جانے کا پروگرام طے کرنا چاہا تو اس نے بتایا کہ میں کل ہی تو لاہور سے آیا ہوں لہذا بہتر یہ ہے کہ آپ میرے اسناد بھی ساتھ لے جا کر جمع کروادیں انہوں نے مجھے اپنا بریف کیس بھی دیا کہ اس میں اسناد رکھئے اس طرح محفوظ رہیں گے۔ شیخ صاحب نے دوران گفتگو کہا کہ اس زمانے میں ہماری غربت کا یہ عالم تھا کہ میرے پاس بریف کیس تک نہ تھا۔ اگلے دن میں لاہور پہنچا

وہاں دیگر مدارس سے آئے ہوئے مدرسین سے بھی ملاقات ہوئی۔اسی دن مدیر مکتب شیخ خالد نے ہمارا انٹرویو اور امتحان لیا۔میرا انٹرویو لینے کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ کا سلیکشن تو ہوگیا آپ کا دوسرا ساتھی کدھر ہے اور کیوں نہیں آیا میں نے ان سے کہا کہ وہ مدرسہ کے کام مصروف تھے اس لئے نہ آسکے۔اس پر انہوں نے پوچھا کہ اس کی عربی کیسی ہے تو میں نے جواب میں کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ اچھا بولتا ہے۔اب انہوں نے مطمئن ہوکر مولانا انوار الحق کی سلیکشن بھی کروادی۔اور مجھے بتایا کہ آپ لوگ دو تین دن تک لاہور ہی میں رہیں اس دوران آپ لوگوں کے جانے کے انتظامات ویزہ اور ٹکٹوں وغیرہ کا بندوبست ہوجائے گا آپ کو یہی سے کراچی بھیجا جائے گا۔

اس پر میں نے مدیر مکتب سے کہا کہ میں نے تفسیر شروع کررکھی ہے جتنے دنوں تک ہمارے جانے کا پروگرام تشکیل پاتا ہے اتنے دن تک میں تفسیر پڑھالوں گا۔اس دوران ہمارے مدرسے کا نمائندہ روزانہ آپ کے دفتر سے رابطہ میں رہے گا۔سوانہوں نے اجازت دی۔بعد میں میں نے اپنے کسی شاگردی کی ڈیوٹی لگائی' جو ان دنوں وہیں تھا کہلوایا کہ اس دفتر سے رابطہ میں رہیں۔ میں نے واپس آکر دو تین نئے جوڑے سلوائے۔مولانا انوار الحق کو بھی میں نے تیاری کرنے کا کہا۔کچھ دنوں کے بعد ہمارا شیڈول اس طرح مرتب ہوا کہ براستہ کراچی سعودی ائیر لائن سے ہمیں جانا ہے ۔مولانا انوار الحق کو شیڈول سے آگاہی دی' تو انہوں نے بعض ذاتی گھریلو اور مدرسے کی ذمہ داریوں کی بنیاد پر نہ جانے کا فیصلہ کیا۔میں پروگرام کے مطابق لاہور دفتر پہنچا تو انہوں نے مجھ سے دوسرے ساتھی کے بارے میں پوچھا میں نے ان سے بہانہ کیا کہ وہ بیمار ہے اس پر انہوں نے کہا کہ وہ تو ہمارا طالب علم ہے ان کو لاؤ تاکہ اس کا علاج کروائے۔آخر میں نے انہیں کھل کر واضح طور پر بتایا کہ وہ نہیں جاسکتے۔اب انہوں نے متبادل مانگا میں نے دارالعلوم حقانیہ کے فاضل مولانا عبدالقہار کا نام پیش کیا جو انہوں نے قبول کیا تاہم اس کے پاس پاسپورٹ نہ تھا اور وہ مقررہ مدت کے اندر پاسپورٹ نہ پیش کرسکا۔ہمارے ایک دوسرے ساتھی سید اصغر علی شاہ صاحب نے بھی مجھ سے کافی اصرار کیا کہ میرا نام متبادل طور پر دیا جائے لیکن میں نے انہیں سمجھایا کہ متبادل کے لئے حقانیہ کا فارغ التحصیل اور حامل سند ہونا شرط ہے۔بہر صورت اسطرح دوسری سیٹ ضائع ہوگئی۔

مدینہ منورہ کی روانگی:

مجھے رمضان کے آخری عشرے میں کراچی بھیجا گیا جہاں دو تین دن میں مولانا عبداللہ کاکاخیل مرحوم کے ساتھ مقیم رہا۔عید کے ایام قریب تھے' مجھے اس نے عید پاکستان میں گزارنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے اسے کہا کہ جیسے بھی ہو میں پاکستان سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچنا چاہتا ہوں۔میرا شوق اور جذبہ بڑے عروج پر تھا اس لئے کہ اس سے قبل میں بری راستے سے حرمین شریف بڑے مصائب اور تکالیف کاٹ کر پہنچا تھا۔کراچی میں سعودی ائیر لائن والوں نے مجھے براستہ ریاض ٹکٹ دیا۔ریاض سے آگے جدہ مجھے دو دن بعد جانا تھا۔تاہم کراچی [illegible]ب میں جہاز میں سوار ہوا

تو میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک عرب بیٹھا۔ جس نے میرے ساتھ گفتگو کی اور میرے سفر کی نوعیت کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے اپنے جانے کا مقصد بیان کیا تو وہ بڑا خوش ہوا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ کراچی میں اس نے ایک مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھی ۔وہ بڑا زبردست مقرر تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ مولانا احتشام الحق تھانویؒ تھے۔اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ وہ وزارت پٹرولیم میں آفیسر ہے۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ میرا ٹکٹ ریاض کا ہے۔ ریاض سے قبل جہاز دمام میں اترے گا۔ آپ اگر میرا ٹکٹ ریاض کے بجائے جدہ کردیں تو نہایت مشکور رہوں گا۔اس نے کہا کہ یہ کونسی مشکل بات ہے۔ دمام ایئر پورٹ پر اتر کر اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا کہا اس کے استقبال کے لئے کافی افسران اور خدام آئے تھے۔ وہ مجھے سعودی ائیر لائن کے دفتر لے گئے۔ جہاں معلوم ہوا کہ دمام سے جدہ کیلئے دو گھنٹے کے بعد فلائٹ ہے۔اس نے اپنے اثر رسوخ سے میری فلائٹ بجائے ریاض کے جدہ کردی۔ میں نے دمام کے ایئر پورٹ کی مسجد میں غسل کر کے احرام پہنا' اور دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کی نیت کی۔اور ذکر و اذکار میں مصروف رہا' اذان فجر کے وقت جدہ پہنچا اس وقت جدہ کا پرانا ایئر پورٹ جدہ کے قریب تھا۔ایئر پورٹ کے متعلقہ امور سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو لوگ فجر کی نماز ادا کر چکے تھے۔ میں نے بھی ایک جگہ جائے نماز بچھا کر نماز پڑھی۔ پھر مکہ معظمہ پہنچ کر مناسک عمرہ ادا کئے اور عازم مدینہ ہوا۔ زیارت سے فراغت پر جامعہ پہنچا۔

جامعہ اسلامیہ کے کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ:

مَیں پاکستان سے جانے والے ساتھیوں میں سے جامعہ اسلامیہ پہنچنے والا پہلا فرد تھا۔ وہاں پہنچ کر نہوں نے مجھے کہا کہ تمہاری عمر مقرر کردہ حد سے متجاوز ہے۔اور میرے کاغذات پر لکھا سنہ قد تجاوز من لسن المحدود للالتحاق اس پر میں نے رئیس الجامعہ معالی الشیخ عبدالعزیز بن باز سے رابطہ کیا تو اس نے میری درخواست پر لکھا یسامح بأمثال هؤلاء اس کے بعد جب میں مدیر داخلہ کے پاس گیا تو اس نے مجھے لغت عربی میں داخل کرانا چاہا۔ میں۔ اس کے ساتھ اس بات پر تکرار کیا کہ ہم تو الحمدللہ عربی پر اتنا عبور رکھتے ہیں کہ اپنے بلاد میں طلباء کو پڑھاتے ہیں۔اس دوران ہماری یہ باتیں وہاں قریب بیٹھے جامعہ اسلامیہ کے استاد شیخ مجذوب جو شام کا رہنا والا عالم اور شاعر تھا سن رہا تھا۔اس نے ہمارے بیچ آکر مدیر کو سمجھایا کہ یہ طالب علم صحیح کہہ رہا ہے' اس کی باتوں سے تمہیں عربی میں اس کی مہارت معلوم نہیں ہو رہی ؟ اس طرح مجھے کلیۃ الشریعہ میں داخلہ مل گیا۔ اور بعد میں میری وجہ سے دیگر پاکستان سے آنے والے آٹھ افراد کو بھی کلیۃ الشریعہ میں داخلہ دلوایا گیا۔ ہمارے ساتھیوں میں صرف ایک طالب علم مولوی بشیر صاحب جو آج کل اسلام آباد سے ''نداء الاسلام'' نامی رسالہ نکالتا ہے نے کلیہ الدعوۃ واصول الدین میں داخلہ لیا۔

اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ میں کلیۃ شرعیۃ اور کلیہ الدعوہ واصول الدین ہوتے تھے۔اس کے علاوہ

دیگر کلیات نہ تھے۔ کلیۃ الشریعہ میں چار برس تک پڑھنے کے بعد اس کی تکمیل۔ تو پھر کہیں جامعہ والوں نے ہمیں واپس بھیجنا چاہا۔

ماجستیر میں داخلہ: اس دوران جامعہ میں ماجستیر شروع ہوا۔ اس کے داخلے کے لے نوٹس بورڈ پر شیڈول جاری ہوا۔ اس زمانے میں مولانا مصطفیٰ حسن صاحبؒ جو دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ میں سے تھے وہ بھی وہیں پڑھتے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ کیوں نہ ہم بھی ماجستیر میں داخلے کیلئے اپنے نام بھیجیں۔ لیکن اس نے میری بات کو رّد کرتے ہوئے کہا کہ ماجستیر میں صرف سعودیوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ درخوست دینے میں کیا حرج ہے۔ لیکن باوجود اس کے وہ نہ مانا۔ میں نے اپنی طرف سے درخواست لکھ کر جمع کی۔ ایک ہفتے بعد اعلان ہوا کہ ماجستیر میں داخلے کے لئے شفوی امتحان فلاں تاریخ کو ہوگا۔ مقررہ دن پر میرا امتحان بھی لیا گیا میرے ممتحن نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے تفسیر میں کیا پڑھا ہے؟ اس کا مطلب جامعہ کے کلیۃ الشریعہ میں پڑھنے کے اعتبار سے تھا میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ میں نے اسے جواباً کہا تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی ہے۔ وہ اس جواب پر بڑا خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے سوال کیا کہ ویدرؤ عنها العذاب کا کیا معنی ہے۔ میں نے جواب میں یدفع عنها العذاب کہا۔ اور مزید وضاحت کے لئے حدیث بیان کی کہ ادرء الحدود ما استطعتم پھر اس نے دوسرا سوال کیا کہ ربنا اتنا في الدنيا حسنة امر کا صیغہ ہے اور امر کا معنی ہے قول القائل للمخاطب علی سبيل الاستعلاء افعل؛ یہاں تو انسان اللہ سے کم تر عاجز و مخلوق ہے۔ تو پھر امر کا معنی کس طرح صحیح ہوگا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ امر کے سولہ معانی ہیں۔ بہر صورت اس طرح میرا امتحان مکمل ہوا۔ بعد میں مولانا مصطفیٰ حسن نے مجھ سے امتحان کے بارے میں پوچھا میں نے اسے ساری صورتحال سے آگاہی دی۔ کچھ دنوں بعد ماجستیر کے داخلے میں کامیاب طلباء کی فہرست آویزاں ہوئی پاکستان سے گئے ہوئے ہمارے ۹ر افراد کی جماعت میں سے صرف میرا داخلہ ہوا۔ ماجستیر میں ہمارا وظیفہ بھی بڑھ گیا۔ ہم ماجستیر میں پڑھ رہے تھے کہ اس دوران جامعہ میں دکتورا بھی شروع ہوگیا۔ جب ہم نے ماجستیر کی تکمیل کی تو میں نے دیکھا کہ جامعہ اسلامیہ کے غیر ملکی طلباء کے کاؤنٹر پر میرا پاسپورٹ رکھا ہوا ہے۔ میں نے جب واپسی کا تصور کیا تو غم اور خفگی کی کوئی حد نہ رہی۔ شیخ عبداللہ العقلا اس زمانے میں وکیل شؤن الحرمین تھے اس کے ساتھ میری شناسائی اور ربط و تعلق اس وجہ سے کافی پرانی تھی کہ میں دوران حج و عمرہ حرم شریف میں پاکستان وہندوستان سے آئے ہوئے حجاج کو مناسک حج بیان کرتا تھا۔ میں اور دیگر ماجستیر مکمل کرنے والے غیر ملکی طلباء جن کے بارے میں خروج کا فیصلہ ہوا تھا' اس کے پاس گئے اور انہیں اپنی خواہش سے آگاہ کیا کہ ہم یہاں سے دکتورا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ہمارے بلاد میں اس ترتیب سے اسباق اور دکتورا نہیں ہوتے۔ انہوں نے جامعہ اسلامیہ کے رئیس سے ہماری سفارش کی جو انہوں نے قبول کی۔ اور ہمیں دکتورا کے داخلہ امتحان میں بٹھایا گیا۔ جن آٹھ غیر ملکی طلباء کی

سفارش وکیل شؤن حرمین نے کی تھی ان میں چار کامیاب ہوئے جن میں ایک میں بھی تھا۔ اس طرح چار سال دکتورا میں لگے۔

دکتورا کے رسالہ تفسیر حسن بصری کا مناقشہ: جب میں نے دکتورا کا رسالہ تفسیر حسن بصریؒ مکمل کیا تو جامعہ نے میرے مناقشے کیلئے دکتور ربیع ہادی مدخلی کو مقرر کیا۔ موصوف کو میں پاکستان کے دورے پر آنے کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی حیات میں دارالعلوم حقانیہ بھی لایا تھا۔ میں نے اپنا رسالہ اس کے پاس جمع کیا۔ جامعہ کا دستور یہ تھا کہ جب رسالے کی تکمیل ہوجاتی تو طالب علم پر وظیفہ بھی بند کردیا جاتا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد رمضان کے مہینے میں حرم شریف میں میرے مشرف نے مجھے اطلاع دی کہ دکتور ربیع ہادی مدخلی نے آپ کے رسالے کے مناقشے سے انکار کیا۔ میں اس پر بڑا خفا ہوا کہ اتنا عرصہ میرا رسالہ عبث روکا گیا اگر انکار کرنا ہی تھا تو ابتداء سے کردیتے۔ میں اسی وقت حاجی انعام اللہ آف شبقدر مقیم مدینہ کو ساتھ لے کر ان کی مسجد جویریہ عثمان کے قریب تھی گیا۔ ظہر کی نماز میں نے اس کی امامت میں پڑھی۔ میں نماز کے بعد اس کے گھر گیا۔ ملاقات کے بعد اس سے اپنے رسالہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ فی صالحک أن لاأناقش رسالتک، مجھے بڑی حیرت ہوئی اور اسے کہا کہ آپ مجھے یہ لکھ کر دے۔ اس نے رئیس جامعہ کے نام لکھ کر دیا أنی لا اناقش رسالة الشیخ شیرعلی شاہ وانی مستعد لای رسالة اخری، میں صبح رئیس کے پاس یہ تحریر لے کے گیا تو وہ مجھ پر الٹا غصہ ہوکر برسا اس نے کہا کہ تم بار بار اس کے گھر جاتے ہو اس لئے اس نے تمہارے رسالہ کے مناقشہ سے انکار کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ واللہ میں دو دفعہ کے علاوہ اس کے گھر گیا ہی نہیں ہوں۔ پہلی دفعہ رسالہ جمع کرنے کیلئے اور آخری دفعہ کل رسالة واپس لینے کیلئے۔ رئیس نے مجھے کہا کہ اگلے جلسے میں ہم آپ کا رسالہ کسی دوسرے استاد کو دیں گے۔ پھر میرے رسالہ کا مناقش حماد سلامی بحیری مقرر کئے گئے' جو مصر کے رہنے والے تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ پہلے میری آنکھوں کا آپریشن ہوگا اس کے بعد جب ٹھیک ہو جاؤں گا تو پھر تمہارے رسالے کو دیکھوں گا۔ اسکے بعد مناقشہ ہوگا۔ تقریباً ڈیڑھ سال اسی میں گزرا۔ اس کا مناقشہ بھی ہر اعتبار سے سخت اور مشکل تھا۔ سارا مناقشہ کیسٹوں میں محفوظ ہے۔ ہر ہر بات کی وہ جڑ ڈھونڈتا اور اعتراضات کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بھی کامیابی سے نوازا۔ اور میں پہلی پوزیشن کے ساتھ کامیاب ہوا۔ جبکہ دکتور عمر یوسف جس نے تفسیر حسن بصری کا پہلا حصہ مکمل کیا ہے جو آج کل حرم مدینہ منورہ میں مؤذن ہے اس نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ دکتورا کی تکمیل کے بعد شیخ احمد زہرانی جو شؤن الدعوہ کے مدیر تھے' نے ہماری تعیناتی وزارت عدل میں کروادی۔ وہاں ہمارا کام ترجمانی کرنا تھا۔ اس ملازمت میں ہمیں مشاہرہ بھی کافی ملتا۔ لیکن میں مطمئن نہ تھا۔ اس لئے کہ یہ ساری علمی تگ ودو ہم نے ترجمان بننے کیلئے تو نہ کی تھی۔ اسی وجہ سے ہمیں کئی دن تک نیند بھی نہیں آئی۔ آخر شیخ زہرانی کے پاس ہم دوبارہ گئے تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ

یہاں پر خوش نہیں تو پھر آپ کو پاکستان کے کسی دینی مدرسے میں تدریس کے لئے بطور مبعوث بھیجا جائے گا۔ میں اس پر بڑا خوش ہوا اور میں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے دارالعلوم حقانیہ بھیجا جائے۔ لیکن انہوں نے بتایا کہ ہم اسی طرح آپ کو نہیں بھیج سکتے لانرسل مبعوثنا الابالطلب ہمارے پاس پاکستان کی فائل ہے اس کو منگوا کر دیکھتے ہیں کہ کن کن مدارس نے ہم سے اساتذہ طلب کئے ہیں۔ فائل منگوائی گئی تو اس میں پاکستان کے دو مدارس دارالعلوم کراچی اور جامعہ ابی بکر کراچی کی طرف سے طلب آئی تھی۔ انہوں نے مجھے ان دو میں سے کوئی ایک منتخب کرنے کا اختیار دیا۔ میں نے دارالعلوم کراچی کو ترجیح دی۔ اس طرح مجھے پاکستان میں تعینات کر کے بھیجا گیا۔ یہاں جب واپس آیا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً) کو خبر ہوئی تو وہ بڑے خفا اور ناراض ہوئے۔ بعد میں میں نے ان کو ساری صورتحال تفصیل سے بتائی کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اپنی طرف سے خود حقانیہ کیلئے درخواست لکھ جمع کرتا۔ انہوں نے پھر مطمئن ہو کر فرمایا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا کہ تمہیں حقانیہ لے آئے۔ دارالعلوم کراچی میں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شیخ احمد زہرانی پاکستان کے دورے پر کراچی آیا تو اس نے میرے نام رقعہ بھیجا کہ فلاں جگہ آکر مجھ سے ملو میں ملاقات کیلئے اپنے ہمراہ حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان کو بھی لے کر گیا۔ اس نے شیخ زہرانی کو کافی تحفے تحائف دیئے اور ساتھ ہی اس سے درخواست کی کہ مجھے جامعہ احسن العلوم میں تعینات کرے۔ دارالعلوم کراچی میں کافی شیوخ ہیں ہمارا مدرسہ احسن العلوم اس اعتبار سے یتیم ہے۔ انکی ہمارے ہاں کافی ضرورت ہے۔ شیخ زہرانی نے جاتے ہی میرا تبادلہ جامعہ احسن العلوم کراچی کر دیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مرض وفات میں مولانا منصور الرحمان صاحب (جو شیخ الحدیث مولانا زرولی خان صاحب کے خصوصی رفقاء میں سے ہیں) انکی عیادت کیلئے ہسپتال گئے تو انہوں نے میرے بارے میں ان سے تفصیلی پوچھا کہ کون کونسی کتابیں پڑھاتا ہے اور پھر اس مجلس میں فرمایا کہ ہم بھی اللہ سے مانگیں گے کہ شیر علی شاہ حقانیہ واپس آئے' کچھ عرصہ بعد سعودی سفیر کے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مولانا جلال الدین حقانی نے منبع العلوم میرانشاہ میں میری تعیناتی کروائی۔ آخر کار شوال ۱۴۱۷ھ میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی کوششوں سے دارالعلوم حقانیہ میری واپسی ہوئی۔ یقیناً یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے منہ کا گفتہ تھا جو سچ بن کر سامنے آیا۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید　　گفتہ او گفتہ اللہ بود　　گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

مولانا شیر علی شاہ صاحب کے داستان کے دوران راستہ میں فریمان شہر سے گزر ہوا۔ یہ چھوٹا سا صاف ستھرا شہر تھا اور آگے کاریز کا علاقہ آیا۔

(جاری ہے)

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

اقوام متحدہ کے ادارہ نیشنل سیکورٹی کونسل کے اہم ارکان پر مشتمل وفد کی دارالعلوم آمد:

۲۲؍نومبر بروز بدھ اقوام متحدہ کے نیشنل سیکورٹی کونسل کے اہم ارکان پر مشتمل ایک خصوصی وفد نے دارالعلوم حقانیہ کا تفصیلی دورہ کیا۔ وفد میں پاکستان کی مختلف وزراتوں کے اہم اعلیٰ افسران اور سیکرٹریز بھی شامل تھے۔ یہ اعلیٰ سطحی وفد پاکستان کے مختلف اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے اقوام متحدہ اور سیکورٹی کونسل کی جانب سے پاکستان کے دورہ پر آیا تھا۔ انہوں نے پاکستان کے مختلف اعلیٰ اداروں کا معائنہ کیا۔ دینی مدارس میں دارالعلوم حقانیہ کا انتخاب انہوں نے کیا تھا۔ وفد کی سربراہی اقوام متحدہ کے شعبہ چیف آف سیکشن کاؤنٹر ٹیررازم کمیٹی کے ایگزیکیوڈائریکٹر جوئیل سیولر نے کی۔ ان کے علاوہ اقوام متحدہ کے شعبہ منشیات وجرائم کے پروجیکٹ کوارڈینیٹر والٹر جہار' او۔ آئی۔ پی۔ سی انٹر پول کے کمانڈ اینڈ کوارڈینیشن انجلو بانی اور اقوام متحدہ کے شعبہ لیگل آفیسر کاؤنٹر ٹیررازم کمیٹی کے ایگزیکیو ڈائریکٹ کرسٹین ایف۔ مہر نمایاں تھے۔ وفد کے اعزاز میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم نے اپنی رہائش گاہ پر ظہرانہ دیا۔ اس کے بعد وفد نے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اور نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ اور دیگر اساتذہ وانتظامیہ کے ہمراہ دارالعلوم کے تمام اہم شعبہ جات مثلاً درسگاہوں' دارالحفظ' لائبریری' دفاتر اور شعبہ حقانیہ ہائی سکول کا تفصیلی معائنہ کیا۔ اور اساتذہ وطلباء سے بھی ملاقاتیں کیں۔ وفد نے آخر میں حقانیہ ہائی سکول کے طلباء کی اعلیٰ کارکردگی سے نہایت متاثر ہوئے اور وہیں وفد کے سربراہ نے ان تاثرات کا اظہار کیا کہ دارالعلوم حقانیہ آکر انہیں بڑی حیرت اور خوشی ہوئی۔ اس قدر منظم اور بہترین دینی تعلیمی ادارے کو دیکھ کر ہماری کئی غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں۔ اس قسم کے مطالعاتی دوروں سے بڑے مثبت نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ہم مہتمم صاحب اور انتظامیہ کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہماری بڑی مہمان نوازی کی۔ آخر میں وفد نے دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں حضرت مولانا مدظلہ کے ساتھ تفصیلی سوالات وجوابات کی نشست کی۔ جس میں نمایاں درس نظامی کے نصاب اور عالمی صورتحال پیش پیش رہے۔ حضرت مولانا مدظلہ نے وفد کو توجہ دلائی کہ اقوام متحدہ سے دہشت گردی کی واضح تشریح اور تعریف کرائی جائے۔ جب تک اس کے حدود متعین نہ کرائیں جائیں اور مفاد پرست سامراجی قوتیں مظلوم اقوام اور بالخصوص امت مسلمہ کے بارے میں اس کا غلط استعمال کرتی رہی گی۔ دنیا میں فساد جاری رہے گا اور ظالم اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہیں گے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے کہا کہ برصغیر میں انگریز کے آنے کے بعد دینی مدارس کا سسٹم

مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے اور ڈیڑھ سو برس میں انگریز کو کسی مدرسہ میں دہشت گردی نظر نہیں آئی تھی۔ مولانا مدظلہ نے کہا کہ صدر بش جیسے لوگ نہیں بلکہ اقوام متحدہ خود اس آگ کو جو مسلمانوں اور مغرب کے درمیان بڑھکائی گئی ہے کو بجھا سکتی ہے۔ مولانا مدظلہ نے کہا کہ اگر ہمارے سرکاری نظام تعلیم سے دینی اور دنیاوی علوم کو الگ نہ کیا جاتا تو آج مدرسوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ مولانا مدظلہ نے کہا کہ نائن الیون کے بعد مسلمانوں اور مغرب میں خلیج کو مسلسل بڑھایا جارہا ہے۔ اقوام متحدہ اور سکیورٹی کونسل کے ارکان اور ادارے اسے کم کرانے کی کوشش کریں۔ اگر کسی بھی مدرسہ میں دہشت گردی اور اس کے غلط استعمال کا پتہ چل جائے تو ہم اور ہمارے وفاقی بورڈ خود اس کا بروقت نوٹس لیتے ہیں۔ وفد نے دارالعلوم کے تعلیمی نظام، نظم وضبط اور سارے سسٹم پر حیرت انگیز جذبات اور احساسات کا اظہار کیا۔ انہوں نے دارالعلوم کے لائبریری کا معائنہ کرتے ہوئے اسلام کا دیگر ممالک اور اقوام کے ساتھ روابط اور معاملات پر اسلامی کتابوں کے انگریزی ترجموں کی ضرورت پر زور دیا۔ اور مولانا مدظلہ سے ایسا لٹریچر اقوام متحدہ کے سیکورٹی کونسل کو بھی بھیجنے کی خواہش ظاہر کی۔ بعد میں وفد نے پریس سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے نیویارک میں اس دارالعلوم کے بارہ میں جو باتیں سنی تھیں وہ سب غلط ہیں ہم اس ادارہ کے نظام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مولانا سمیع الحق نے ہمیں جو بریفنگ دی اس نے ہمارے تمام خدشات دور کردیئے۔

دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز اور افتتاحی تقریب:

الحمدللہ ۸ رنومبر ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس سے قبل دو ہفتے تک دارالعلوم کے تمام درجات میں ریکارڈ داخلہ ہوا اور باوجود سخت امتحان اور قواعد وضوابط کے صرف شعبہ درس نظامی میں ڈھائی ہزار سے زائد طلباء کا اس سال الحمدللہ داخلہ مکمل ہوا۔ جن میں دورہ حدیث کے طلباء کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ افتتاح کے موقع پر دارالعلوم کے تمام اساتذہ، مشائخ وطلباء ایوان شریعت (دارالحدیث) کے وسیع وعریض ہال میں جمع تھے۔ حسب سابق پہلے اجتماعی طور پر قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ پھر اس کے بعد حضرت مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے درس حدیث ترمذی سے باقاعدہ اسباق کا آغاز کیا۔ اس موقع پر آپ نے طلباء سے فضیلت علم، علماء کی ذمہ داریاں، پابندی اوقات اور موجودہ نئے حالات میں دینی مدارس اور علماء و طلباء کو درپیش نئے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کیلئے بھرپور علمی تیاریوں کے بارے میں نصیحت آموز اور سیر حاصل خطاب فرمایا۔ پھر نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ نے مختصر اور جامع خطاب فرمایا۔ اور دارالعلوم کے قواعد وضوابط پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور طلباء کو اس پر عمل درآمد کی تلقین کی۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور حضرت مولانا مدظلہ کے ماموں حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ نے بھی طلباء سے مختصر خطاب فرمایا اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی خصوصی درخواست پر آپ نے طلباء کو حدیث کی اجازت بھی فرمائی۔ آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ

نے بڑی رقت آمیز جامع اختتامی دعا فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان مدظلہ ودیگر علماء حضرات کی دارالعلوم آمد:

گزشتہ دنوں کراچی کے بڑے تعلیمی ادارے کے سربراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی زرولی خان مدظلہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔آپ کے ہمراہ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث مولانا قاری مفتاح اللہ مدظلہ اور دیگر احباب بھی تھے۔مولانا مدظلہ نے دفتر اہتمام میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ' حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ اور مولانا انوار الحق صاحب سے تفصیلی ملاقات کی اور موجودہ ملکی نازک صورتحال پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ملاقات میں رویت ہلال کے مسئلہ پر پیدا ہونے والی پیچیدہ صورتحال سے نمٹنے کیلئے کئی تجاویز زیرغور وخوض کیا گیا۔ملاقات کے بعد مہمانوں کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی رہائش گاہ پر ظہرانہ دیا گیا۔

امریکہ اور مغربی صحافیوں کی دارالعلوم آمد:

دارالعلوم حقانیہ کی عالمی حیثیت اور بڑھتی ہوئی تعلیمی وانتظامی کارکردگی سے متاثر ہوکر دنیا بھر سے اسکالروں' صحافیوں' اور سفارتکاروں کی آمد حسب سابق جاری ہے۔اسی سلسلے میں گزشتہ دنوں امریکہ کے قومی ریڈیو (N.P.R) کی اہم نمائندہ میری لوئس کیلے ساتھیوں کے ہمراہ گزشتہ دنوں دارالعلوم تشریف لائیں۔آپ نے حضرت مولانا مدظلہ اور دیگر اساتذہ اور طلباء سے تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔اور انہوں نے اپنے سوالات میں ان خدشات کا اظہار کیا جو ان دنوں مغرب اسلام اور دینی مدارس کے بارے میں اچھال رہا ہے۔حضرت مولانا مدظلہ نے انہیں تفصیلی جوابات دیئے اور اسلام اور درس نظامی کے بارے میں منفی پروپیگنڈے کے بارے میں انہیں اصل حقائق سے آگاہ کیا۔اسی طرح گزشتہ ماہ سپین (اندلس) کے کثیر الاشاعت اخبار اے۔بی۔سی کے ایڈیٹر نے بھی دارالعلوم کا معائنہ کیا۔پھر اسی روز برطانیہ کے معروف چینل سکائی نیوز سے آئے ہوئی ٹیم نے بھی مولانا مدظلہ سے ان کی رہائش گاہ پر تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کرایا۔

جمعیت علماء اسلام ضلع صوابی کے امیر مولانا میاں گل جان کی وفات:

ضلع صوابی کے معمر عالم دین' مدرسہ غیرت السلام کے مہتمم حضرت مولانا میاں گل جان جو صوابی میں جمعیت کے تاسیسی رکن تھے اور دارالعلوم حقانیہ کے انتہائی مخلصین میں سے آپکا تعلق تھا۔آپ گزشتہ ماہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔دارالعلوم کے اساتذہ کرام کا ایک وفد ان کی تعزیت اور فاتحہ خوانی کیلئے گیا۔دارالعلوم اور ادارہ الحق مرحوم کے پسماندگان کیساتھ تعزیت کرتا ہے اور انکے رفع درجات کیلئے دعا گو ہے۔

ادارہ

تعارف تبصرہ کتب

کتاب: اسماء حسنیٰ (جلد اول) جمع و ترتیب: مولانا محمد حنیف عبدالمجید صاحب

ضخامت: ۴۱۸ صفحات قیمت: ۲۰۰ روپے

ناشر: بیت العلم ٹرسٹ اردو بازار کراچی

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ اسی آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ حمد و تسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات پاک ہے اور مشکلات و مصائب اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے حمد و ثناء کرو تو اسی کی کرو اور حاجت روائی مشکل کشائی کے لئے پکارو۔ تو اسی کو پکارو اور پکارنے کا طریقہ یہ بتلایا ہے کہ ان ہی اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارو۔ جو اللہ تعالیٰ کے ثابت ہیں اپنی تجویز سے دوسرے الفاظ نہ بدلو۔ بلکہ ان اسمائے حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہے اور یہ اس کی شایان شان ہیں ان ہی کے ساتھ پکارو۔''

اسماء حسنیٰ کی تشریح اور اس کے فضائل و برکات کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلۃ الذھب کی ایک زرین کڑی ہے، جسے مولانا محمد حنیف صاحب نے ترتیب دی ہے۔ اور اپنی دیگر مرتب کردہ کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی انتہائی عرقریزی سے کام لیا ہے۔ فاضل مرتب نے اس کتاب کی ترتیب میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اسماء حسنیٰ کے لغوی اور اصطلاحی معنی۔ قرآن کریم کی جن آیات میں اسماء حسنیٰ کا ذکر ہے ان میں سے کم از کم تین آیات کا ذکر۔ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں اسماء حسنیٰ کی تشریح۔ اسمائے حسنیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے مواعظ حسنہ۔ ہر اسم کے تحت اسم کی خصوصیات سے متعلق مفید اذکار اور دعائیں وغیرہ

اسماء حسنیٰ کے متعلق دو جلدوں پر مشتمل یہ بہترین اور روح پرور کتاب ہے۔ انشاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان و یقین میں اضافہ کا باعث اور عبادت معاشرے اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

کتاب: سلسلہ نقشبندیہ کی روشن کرنیں مؤلف: مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

ضخامت: ۴۴۸ صفحات قیمت: درج نہیں۔

ناشر: ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان

اولیاء عظام اور صوفیائے کرام نے ہر زمانے اور ہر نازک دور میں اسلامی معاشرے کی اصلاح مسلمانوں کی اخلاقی وروحانی تربیت نیز اسلام کی تبلیغ واشاعت کے فرائض ایسی خوبی کیساتھ انجام دیئے کہ غیر مسلم قومیں بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور وہ بصد شوق وذوق دائرہ اسلام میں داخل ہوکر اسلام کی خیر وبرکت سے مستفید ہوئیں۔

زیر تبصرہ کتاب'' سلسلہ نقشبندیہ کی روشن کرنیں'' نقشبندی سلسلہ کے بزرگانِ کرام ومشائخ عظام کے حالات (اعمال اخلاق وملفوظات) پر لکھی گئی ہے ویسے ان بزرگوں کے متعلق مطلوبہ معلومات متفرق طور پر تو ہر جگہ دستیاب ہوں مگر ایسی کتابیں شاید کم یا نہ ہونے کے برابر ہوں کہ جن میں یکجا طور پر بسہولت خصوصاً اردو زبان میں یہ جواہرات مل سکیں۔ جناب مولانا محمد روح اللہ صاحب نقشبندی غفوری نے اس لحاظ سے ایک منفرد کاوش پیش کر کے ایک ایسی عظیم خدمت کی بجاآوری میں کامیابی حاصل کی ہے جسے تزکیہ نفس ومردم سازی کے بنیادی عوامل وشروط کا ادراک اور ان کی حقیقی قدر وقیمت کا احساس رکھنے والوں کے ہاں ہمیشہ پذیرائی ملتی رہے گی۔

کتاب کے متعلق مولانا محمد سعید انصاری مدظلہ رقمطراز ہیں'' محبی ومخلصی جناب الحاج محمد شاہد ذکی صاحب نے حضرت مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری کی کتاب مستطاب سلسلہ نقشبندیہ کی روشن کرنیں کا مسودہ پیش کیا اور فرمایا کہ مولانا مصنف کی دلی خواہش ہے کہ اس کتاب کے بارے میں اپنی رائے تحریر کریں۔ چنانچہ اس ناکارہ نے اس کتاب کی فہرست پر نظر ڈالی جو نہایت منفرد لگی۔ تقریباً تمام سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کے احوال واقوال ان کی سیرت وکردار اور پاکیزہ گفتار کو جمع کرنے اور ترتیب دینے میں مولانا موصوف نے بڑی عرقریزی سے کام لیا۔ اس محنت پر موصوف کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ اس ناچیز نے اس سے پہلے سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کے حالات ومقالات اردو زبان میں کسی ایک کتاب میں جمع نہیں دیکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی جناب میں مقبول ومنظور فرماوے۔ اور اس کے فیض کو عام اور تام فرماوے

خط وکتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

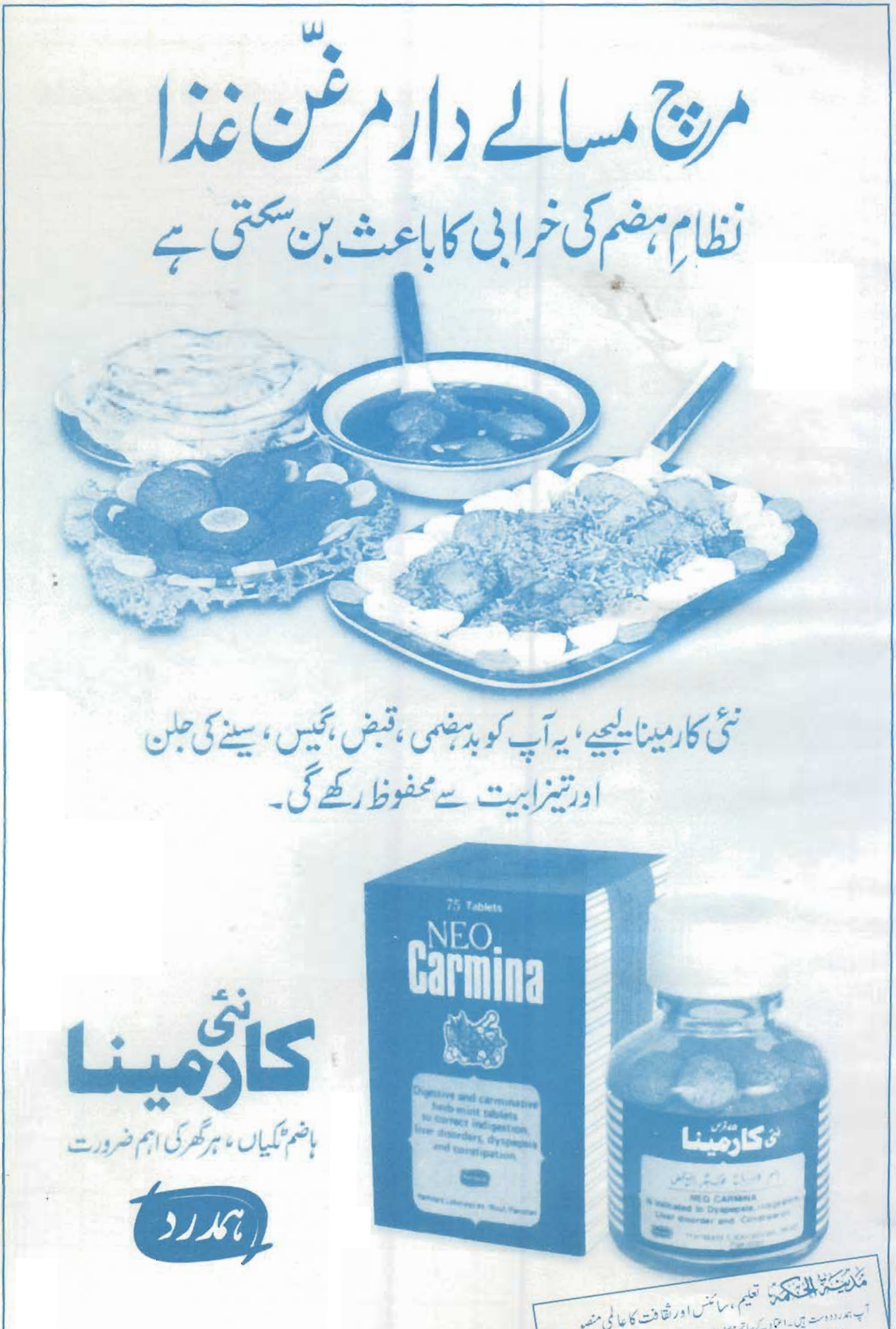

Adarts-CAR-1/2005

مطبوعات مؤتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

نمبر شمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶
۲۔	دعواتِ حق ۔ (مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات و عبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت و شہادت	"	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہلِ حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۶
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۶
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۲۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	"	" " " " "	-
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	روسی الحاد		" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاویٰ حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث و مفتیانِ حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل و شرب	" " "		۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی		۵۰۰
۲۰۔	شرح شمائل ترمذی		" " " " "	زیر طبع
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی	مولانا مفتی مختار اللہ	مولانا مفتی مختار اللہ	۱۰۰
۲۲	انوارِ حق (جلد اول)	حافظ سلمان الحق حقانی	حضرت مولانا انوار الحق حقانی	۲۶۰

مؤتمر المصنفین ○ جامعہ دار العلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک